

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

# نور الحديث

ایک تحقیقی و اصلاحی میگزین

جلد 1 | محرم / صفر 1440ھ | ستمبر / اکتوبر 2018ء | شمارہ 3

معاون مدیر

**حافظ ابوسفیان میہ محمدی**

0300-4008489

مدیر

**محمد ارشد کمال**

0322-2999987

سرپرست

**حافظ عبداللہ رفیق**

شیخ الحدیث جامعہ محمدیہ کوکڑ شاہ لاہور

نمبر شمار	مضامین	صفحہ
1-	درس قرآن: سورۃ الحجرات	2
2-	درس حدیث: کتاب الزہد	6
3-	آپ کے سوالات	9
4-	ضعیف حدیث کا حکم	14
5-	صلوۃ الضحیٰ کی بعض روایات پر ایک نظر	18
6-	الرد علی الجہمیۃ	23
7-	سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت	33
8-	کیا معاویہ رضی اللہ عنہ کاتب وحی نہیں تھے؟	47
9-	عیسائی شبہ کا ازالہ	55
10-	القول القوی فی نقد الرجال	61

مجلس ادارت

مولانا محمد سرور عام

ابو محمد عبداللہ اختر

ابو عبدالان عمر گلزار

چوہدری محمد آصف

حافظ عبدالرحمن یاسین

سید عامر اختر شاہ

پروفیسر محمد بدال

فرانز احمد

قیمت

فی شمارہ: 35 روپے

سالانہ: 250 روپے

☆ مع محصول ڈاک

خط و کتابت

جامعہ محمدیہ کوکڑ شاہ لاہور، ڈاک خانہ 196-D ملتان روڈ، سیکم موڑ، لاہور / ڈاک خانہ 196-D ملتان روڈ، سیکم موڑ، لاہور

ناشر: المكتبة الکمالیة ○ ملتان روڈ، سیکم موڑ لاہور

0322-2999987  
0302-4510300

## سورة الحجرات

قسط: 3

﴿إِنَّ الَّذِينَ يَعْضُونَ أَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ امْتَحَنَ اللَّهُ

قُلُوبَهُمْ لِيَتَّقُوا ۖ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ عَظِيمٌ ﴿٣﴾﴾ (الحجرات: 3)

”بلاشبہ جو لوگ رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں اپنی آوازوں کو پست

رکھتے ہیں، یہی وہ لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کے لیے چن لیا

ہے، انہی کے لیے مغفرت اور اجر عظیم ہے۔“

جو لوگ بارگاہ رسالت کے ادب کو ملحوظ رکھتے اور آپ ﷺ کی موجودگی میں اپنی آوازوں کو پست رکھتے ہیں، پیش نظر آیت میں ان کی فضیلت بیان ہوئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو تقویٰ کے لیے خاص کر دیا ہے اور آخرت میں ان کے لیے مغفرت اور اجر عظیم ہے۔

☆.....: سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا یہ حال ہوتا تھا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بات کرتے وقت سرگوشی کا سا انداز اختیار کرتے تھے۔ اور ان کی آواز اس قدر پست ہوتی تھی کہ رسول اللہ ﷺ کو دریافت کرنا پڑتا تھا کہ وہ کیا کہہ رہے ہیں؟ (صحیح البخاری: 7302)

☆.....: سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ جب آیت ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ...﴾ النخ نازل ہوئی تو سیدنا ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ اپنے گھر بیٹھ گئے اور کہنے لگے: میں دوزخی ہو گیا اور نبی ﷺ کی مجلس میں آنا موقوف کر دیا۔

(جب وہ کئی دن تک دکھائی نہ دیئے تو) رسول اللہ ﷺ نے سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا: ”ابو عمرو! ثابت کو کیا ہوا؟ وہ کہاں غائب ہیں؟ کیا وہ بیمار ہیں؟ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اللہ کے رسول! وہ میرے ہمسائے ہیں۔ مجھے تو ان کے بیمار ہونے کی



کوئی اطلاع نہیں۔

اس کے بعد سعد رضی اللہ عنہ ان کے گھر گئے اور سارا واقعہ ان کے گوش گزار کیا، تو ثابت رضی اللہ عنہ نے کہا: ”قرآن کریم کی یہ جو آیت کریمہ نازل ہوئی ہے، آپ جانتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں میری آواز سب سے بلند ہوتی ہے، اس لیے میں تو جہنمی ہو جاؤں گا۔ سعد رضی اللہ عنہ نے جا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی اس بات کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا: نہیں نہیں، ایسی تو کوئی بات نہیں، وہ تو جنتی آدمی ہے۔“ (صحیح مسلم: 119)

امام ابن کثیر رحمہ اللہ رقم طراز ہیں کہ اس حدیث میں سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کا ذکر محفوظ (درست) نہیں۔ (یہ کسی راوی کا وہم ہے) کیوں کہ وہ 5 ہجری میں غزوہ بنی قریظہ سے چند ہی دن بعد وفات پا گئے تھے، جب کہ یہ آیات عام الوفود 9ھ میں بنو تمیم کے وفد کی مدینہ منورہ آمد کے موقع پر نازل ہوئی تھیں۔ (تفسیر القرآن العظیم: 645/5) تاہم اصل واقعہ صحیح ثابت ہے۔ ان شاء اللہ

سیدنا انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ سیدنا ثابت رضی اللہ عنہ ہمارے درمیان چلتے پھرتے تھے تو ہم جانتے تھے اور ان کے متعلق (بشارت نبوی کی روشنی میں) ہمارا یہی خیال تھا کہ وہ (ان شاء اللہ) جنتی ہیں۔ جنگ یمامہ کے دن جب ہم پر شکست طاری ہونے لگی تو سیدنا ثابت رضی اللہ عنہ ہمارے پاس آئے۔ وہ حنوط (ایک خوش بو جو خاص طور پر فوت شدگان کو غسل دینے کے بعد لگائی جاتی ہے) لگائے ہوئے اور کفن زیب تن کیے ہوئے تھے۔ کہنے لگے: تم اپنے مد مقابل دشمن کو اپنے اوپر غالب ہونے کا موقعہ دے رہے ہو۔ پھر وہ دشمنوں سے جنگ کرنے لگے تا آنکہ شہادت سے ہمکنار ہو گئے۔ (مسند احمد: 137/4 - صحیح مسلم: 119)

☆..... سیدنا نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر کے پاس تھا کہ ایک شخص نے کہا: اسلام لانے کے بعد اگر میں صرف حجاج کو پانی پلاؤں اور کوئی عمل نہ کروں تو مجھے کوئی پرواہ نہیں ہے۔ دوسرے شخص نے کہا: اگر اسلام لانے کے بعد میں صرف مسجد حرام کو آباد کروں اور اس کے سوا اور کوئی عمل نہ کروں تو مجھے کوئی پرواہ نہیں ہے۔



تیسرے نے کہا: اللہ کی راہ میں جہاد کرنا تمہاری کہی ہوئی عبادتوں سے افضل ہے۔ یہ سن کر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو ڈانٹا اور فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کے منبر کے پاس آواز اونچی نہ کرو۔ اس دن جمعہ تھا، میں جمعہ کی نماز کے بعد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوں گا اور جس مسئلہ میں تمہارا اختلاف ہے اس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ سے دریافت کروں گا۔ تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ﴿أَجْعَلْتُكُمْ سِقَايَةَ الْحَاجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ أَمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَجَهَدَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ط﴾ (التوبة: 19): ”کیا تم حجاج کو پانی پلانے اور مسجد حرام کے آباد کرنے کو اس شخص کے عمل کے برابر قرار دیتے ہو جو اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان لایا اور اس نے اللہ کی راہ میں جہاد کیا؟“ (صحیح مسلم: 1879)

☆..... سیدنا سائب بن یزید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں مسجد نبوی میں کھڑا ہوا تھا کہ کسی نے میری طرف کنکری پھینکی میں نے جو نظر اٹھائی تو دیکھا کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ہیں۔ آپ نے فرمایا: یہ سامنے جو دو شخص ہیں انھیں میرے پاس لاؤ۔ میں انھیں آپ کے پاس لایا تو آپ نے پوچھا: تمہارا تعلق کس قبیلہ سے ہے؟ یا پوچھا کہ تم کہاں رہتے ہو؟ انھوں نے بتایا کہ ہم طائف کے رہنے والے ہیں۔ آپ نے فرمایا: اگر تم مدینہ کے ہوتے تو میں تمہیں سزا دیے بغیر نہ چھوڑتا تم رسول اللہ ﷺ کی مسجد میں اپنی آوازیں بلند کرتے ہو؟ (صحیح البخاری: 470)

رسول اللہ ﷺ کا ادب و احترام آپ کی وفات کے بعد آپ کی مسجد میں اور آپ کی قبر کے پاس اتنا ہی ضروری ہے جتنا آپ کی زندگی میں ضروری تھا۔ اسی سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا ہے:

﴿لَا تَجْعَلُوا دُعَاءَ الرَّسُولِ بَيْنَكُمْ كَدُعَاءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا ط﴾

(النور: 63/24)

”ایمان والو! تم اللہ کے رسول کو اس طرح مت بلاؤ جیسے تم آپس میں ایک دوسرے کو بلاتے ہو۔“

## احکام ومسائل

- ❶ رسول اللہ ﷺ کے ادب، تعظیم اور احترام و تکریم کا تقاضا ہے کہ آپ کی موجودگی میں لوگ آپس میں یا آپ کے ساتھ ہم کلام ہوں تو وہ اس بات کا اہتمام کریں کہ ان کی آواز نبی ﷺ کی آواز سے بلند نہ ہو۔
- ❷ نبی ﷺ کے ساتھ ہم کلام ہوتے وقت وقار اور شائستگی کو ملحوظ رکھا جائے۔
- ❸ لوگ آپس میں باتیں کرتے وقت جس طرح ایک دوسرے کا نام لے لے کر اور بلند آواز سے بے تکلفی سے باتیں کرتے ہیں، نبی ﷺ کے ساتھ اس انداز میں بات کرنا ممنوع ہے۔
- ❹ جس طرح آپ ﷺ کی زندگی میں آپ کا ادب ملحوظ رکھنا لازم تھا۔ بعد از وفات بھی اسی طرح آپ کا ادب ضروری ہے۔
- ❺ نبی ﷺ کی ذات کے ساتھ ساتھ آپ کے ارشادات و فرمودات بھی قابل تکریم ہیں۔
- ❻ اپنی آواز کو نبی ﷺ کی آواز سے عمداً بلند کرنے اور اپنی رائے اور بات کو نبی ﷺ کے ارشاد سے برتر سمجھنے والے کے تمام اعمال ضائع (برباد) ہو جاتے ہیں۔
- ❼ جو لوگ نبی ﷺ کے ادب کو ملحوظ رکھتے، اور اپنی آوازوں کو آپ کی آواز سے پست رکھتے ہیں، ایسے لوگ قابل تعریف ہیں، ان کے دلوں میں اللہ کا تقویٰ (ڈر) ہے اس کی برکت سے ان کے گناہ معاف کر دیے جائیں گے۔ اور وہ آخرت میں اجر عظیم کے حق دار ہوں گے۔
- ❽ نبی ﷺ کی قبر کے پاس جا کر صلوٰۃ و سلام نہایت ادب سے اور جیسی آواز سے پڑھا جائے۔





درس حدیث:

## کتاب الزهد

امام ابو داود السجستانی

تحقیق و تخریج: محمد ارشد کمال ترجمہ و فوائد: ابوسفیان عباس میر محمدی

[11]..... حَدَّثَنَا أَبُو دَاوُدَ، قَالَ نَا الْحَسَنُ بْنُ عَمْرٍو، عَنْ جَرِيرٍ، عَنْ مُغِيرَةَ، عَنِ الشَّعْبِيِّ، قَالَ: كَانَ فِي بَنِي إِسْرَائِيلَ رَجُلَانِ، تَعَبَّدَ أَحَدُهُمَا أَرْبَعِينَ سَنَةً، وَالْآخَرُ بَعْدَ ذَلِكَ بِعَشْرِ سِنِينَ، وَكَانَ أَحَدُهُمَا . . ☆ وَالْآخَرُ عَزِيَّائِيلُ، فَكَانَا إِذَا صَلَّى أَحَدُهُمَا وَبَلَغَتْهُ الشَّمْسُ وَهُوَ فِي صَلَاتِهِ جَاءَ تَهْ سَحَابَةٌ حَتَّى تُظِلَّهُ قَالَ: فَأَعْجَبَ ذَاتَ يَوْمٍ وَهِيَ عَلَى رَأْسِهِ، فَتَحَوَّلَتْ مِنْ رَأْسِهِ إِلَى رَأْسِ صَاحِبِهِ .

امام شعمی (ابوعمر و عامر بن شریل م 100ھ) رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ بنی اسرائیل میں دو آدمی تھے ایک نے چالیس سال عبادت کی اور اس کے بعد دوسرے نے بیس سال، ان میں سے ایک (کا نام ”بن زفیل“) تھا اور دوسرا عزیا ئیل تھا، چنانچہ ان دونوں میں سے ایک جب نماز پڑھتا..... اور دوران نماز اس کو دھوپ پہنچتی تو اس پر ایک بدلی آ کر سایہ کرتی۔ شعمی کہتے ہیں: ایک دن وہ (بدلی کے سایے پر) خود پسندی اور غرور میں مبتلا ہوا جبکہ وہ (بدلی) اس کے سر پر تھی تو وہ اس کے سر سے اس کے ساتھی کے سر پر منتقل ہو گئی۔

**تحقیق و تخریج:**..... اس کی سند ضعیف ہے۔ مغیرہ بن مقسم مدلس کا عنعنہ ہے۔

[12]..... حَدَّثَنَا أَبُو دَاوُدَ، قَالَ نَا عَبْدُ السَّلَامِ بْنُ مُطَهَّرٍ، قَالَ: نَا جَعْفَرُ، عَنْ مَالِكِ بْنِ دِينَارٍ، قَالَ: بَلَّغْنَا أَنَّ بَنِي إِسْرَائِيلَ خَرَجُوا يَدْعُونَ، فَقِيلَ لَهُمْ: يَا بَنِي إِسْرَائِيلَ تَدْعُونَهُ بِالْإِسْنَتِكُمْ وَقُلُوبُكُمْ بَعِيدَةٌ؟ بَاطِلٌ مَا تَرْهَبُونَ .

جناب مالک بن دینار (م 130ھ) رحمہ اللہ کہتے ہیں: ”ہمیں یہ بات پہنچی کہ بنی اسرائیل دعا

☆ ہمارے پاس جو نسخہ ہے وہاں پر کسی کا نام مذکور نہیں، لیکن نسخہ کے محقق نے اس جگہ نام ذکر کیا ہے ہم نے اسی کو ملحوظ رکھتے ہوئے ترجمہ میں نام لکھ دیا ہے، واللہ اعلم بالصواب۔ (ابوسفیان)



کرتے ہوئے (اپنے گھروں سے) نکلے، تو انھیں کہا گیا: اے بنی اسرائیل! تم اپنی زبانوں سے دعا کر رہے ہو جب کہ (تمھاری دعا کیونکر قبول ہو؟) تمھارے دل (مجھ سے) دور ہیں (لہذا) جو تم رہبانیت اختیار کر رہے ہو وہ باطل ہے۔“

**تحقیق و تخریج:** ..... مائد بن دینار تک اس کی سند حسن ہے۔ اسے امام احمد نے ”الزهد“ (510) اور امام بیہقی نے ”شعب الایمان“ (1119) میں روایت کیا ہے۔

[13] ..... حَدَّثَنَا أَبُو دَاوُدَ، قَالَ نَا سَعِيدُ بْنُ نَصِيرٍ، قَالَ: نَا سَيَّارٌ، عَنْ جَعْفَرٍ، قَالَ: سَمِعْتُ مَالِكَ بْنَ دِينَارٍ، يَقُولُ: أَصَابَ بَنِي إِسْرَائِيلَ بَلَاءٌ وَقَحْطٌ، فَخَرَجُوا يُضْجُونَ، فَأَوْحَى اللَّهُ إِلَى نَبِيِّ مِنْ أَنْبِيَائِهِمْ أَنْ أَخْبِرْهُمْ: تَخْرُجُونَ إِلَى الصَّعِيدِ بِأَبْدَانِ نَجَسَةٍ، وَإِنَّ قَدْ سَفَكْتُمْ بِهَا الدِّمَاءَ، وَمَلَأْتُمْ بَطُونَكُمْ مِنَ الْحَرَامِ؟ الْآنَ حِينَ اشْتَدَّ غَضَبِي عَلَيْكُمْ، وَلَنْ تَزْدَادُوا مِنِّي إِلَّا بُعْدًا.

جناب مالک بن دینار (م 130ھ) رحمہ اللہ کہتے ہیں: بنی اسرائیل کو آزمائش اور قحط سالی پہنچی تو وہ گڑگڑاتے اور چیختے ہوئے (اپنے گھروں سے دعا کے لیے) نکلے، اللہ تعالیٰ نے ان کے ایک نبی کی طرف وحی کی کہ انھیں بتاؤ کہ تم ناپاک بدنوں اور ان ہاتھوں کے ساتھ جن سے تم نے خون بہائے اور حرام مال سے تم نے اپنے پیٹوں کو بھرا (ہوا) لے کر کشادہ زمین کی طرف نکل رہے ہو؟ اب تو میرا غضب تم پر پہلے سے بھی زیادہ ہو گیا ہے اور تم مجھ سے دوری ہی میں زیادہ ہو گے۔“

**تحقیق و تخریج:** ..... مالک بن دینار تک اس کی سند حسن ہے۔ اسے امام بیہقی نے ”شعب الایمان“ (1116) میں روایت کیا ہے۔

[14] ..... حَدَّثَنَا أَبُو دَاوُدَ، قَالَ نَا قَطْنُ بْنُ نَسِيرٍ، قَالَ: نَا جَعْفَرٌ، قَالَ: نَا الْمُنْذِرُ الْمُعَلَّمُ الصَّنْعَانِيُّ، قَالَ: سَمِعْتُ وَهْبَ بْنَ مَنبِهِ، يَقُولُ: قَرَأْتُ فِي كِتَابِ رَجُلٍ مِنَ الْحَوَارِيِّينَ، إِذَا سُلِكَ بِكَ طَرِيقُ الْبَلَاءِ فَقَرَّ عَيْنًا، وَطَبَّ نَفْسًا، فَقَدْ سُلِكَ بِكَ سَبِيلُ الْأَنْبِيَاءِ وَالصَّالِحِينَ، وَإِذَا سُلِكَ بِكَ

سَبِيلُ الرَّخَاءِ فَأَبْكَ عَلَى نَفْسِكَ فَقَدْ خُولِفَ بِكَ سَبِيلُهُمْ .

جناب وہب بن منبہ (م 115ھ) رحمہ اللہ کہتے ہیں: میں نے حواریوں کے ایک آدمی کی کتاب میں پڑھا: ”جب تمہیں آزمائش کے راستے پر چلا دیا جائے تو تمہاری آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں اور دل خوش ہو جائے، کیوں کہ تمہیں انبیاء اور صالحین کے راستے پر چلایا گیا ہے اور جب تمہیں خوش حالی کے راستے پر چلا دیا جائے تو پھر اپنے نفس پر رو۔ کیوں کہ تجھے انبیاء اور صالحین کے راستے کے مخالف چلا دیا گیا ہے۔“

**تحقیق و تخریج:** ..... وہب بن منبہ تک اس کی سند صحیح ہے۔ اسے امام احمد نے ”الزهد“ (296) اور ابو نعیم نے حلیۃ الاولیاء“ (199/3) میں روایت کیا ہے۔ ابوداؤد کی سند میں قطن بن نسیر ضعیف عند الجمہور ہے لیکن احمد اور ابو نعیم کی سند صحیح ہے۔

[15]..... حَدَّثَنَا أَبُو دَاوُدَ، قَالَ نَا مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ النَّيْسَابُورِيُّ، قَالَ: نَا مُحَمَّدُ بْنُ الْحَسَنِ يَعْنِي ابْنَ أَتَشٍ قَالَ: نَا مُنْذِرٌ، عَنْ وَهْبٍ: أَنَّ رَجُلًا عَبْدَ اللَّهِ سَبْعِينَ سَنَةً، ثُمَّ خَرَجَ يَوْمًا فَقَلَّلَ عَمَلَهُ، وَشَكَى إِلَى اللَّهِ مِنْهُ، وَاعْتَرَفَ بِذَنْبِهِ، فَأَتَاهُ آتٍ مِنَ اللَّهِ فَقَالَ: إِنَّ مَجْلِسَكَ هَذَا أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ عَمَلِكَ فِيمَا مَضَى مِنْ عُمْرِكَ .

جناب وہب بن منبہ (م 110ھ) رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ ایک آدمی نے ستر سال اللہ تعالیٰ کی عبادت کی پھر وہ ایک دن (اپنے عبادت خانے سے باہر) نکلا تو اس نے اپنے عمل (یعنی اپنی ستر سالہ عبادت) کو کم سمجھا اور اللہ تعالیٰ سے اپنی کوتاہی کی شکایت کی اور اپنے گناہ کا اعتراف کیا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک آنے والے نے آ کر کہا: ”یقیناً تمہاری یہ مجلس تمہاری سابقہ عمر میں کیے گئے تمہارے تمام اعمال سے مجھے زیادہ محبوب ہے۔“

**تحقیق و تخریج:** ..... اس کی سند ضعیف ہے۔ اسے امام احمد نے ”الزهد“ (292) میں روایت کیا ہے۔ ابن اتش جمہور کے نزدیک ضعیف ہے۔





## آپ کے سوالات

محمد ارشد کمال

**سوال:**..... شیخ صاحب! دو روایتوں کی تحقیق کے سلسلے میں آپ کو زحمت دے رہا ہوں۔  
 (1) میں نے ایک جگہ فلیکس پر لکھی ہوئی یہ حدیث پڑھی تھی: ”وضو کرتے وقت پانی کے استعمال میں فضول خرچی نہ کرو خواہ تم دریا کے کنارے ہی بیٹھے ہو۔“  
 (2) ایک بہت بڑے سکالر کی زبان سے یہ حدیث سنی: ”جس شخص نے اپنی ذات کو پہچان لیا اس نے اپنے رب کو پہچان لیا۔“  
 آپ سے دریافت کرنا تھا کہ ان دونوں حدیثوں کی اسنادی حیثیت کیا ہے؟ کیا یہ صحیح ہیں؟  
 والسلام!

(آپ کا بھائی: محمد شفیق، گوجرہ)

**جواب:**..... (1) بلاشبہ ہر چیز میں اسراف اور فضول خرچی منع ہے حتیٰ کہ وضو میں بھی خواہ انسان کسی نہریا دریا یا سمندر کے کنارے ہی کیوں نہ ہو شریعت نے فضول خرچی سے منع کیا ہے۔ تاہم آپ نے جو روایت بیان کی ہے وہ درست نہیں۔ آپ نے جو الفاظ بتائے ہیں ان لفظوں میں تو ہمارے علم میں نہیں کہ کوئی روایت ہو، واللہ اعلم۔ البتہ سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے مروی ایک روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرے، جب کہ وہ وضو کر رہے تھے، آپ نے فرمایا: ((مَا هَذَا السَّرَفُ؟)) ”یہ کیا فضول خرچی ہے؟“ انھوں نے عرض کیا: کیا وضو میں بھی فضول خرچی ہوتی ہے؟ آپ نے فرمایا: ((نَعَمْ، وَإِنْ كُنْتَ عَلَى نَهْرٍ جَارٍ)) ”ہاں، اگرچہ تم دریا کے کنارے ہی بیٹھے ہو۔“  
 اسے امام ابن ماجہ نے اپنی ”السنن“ (425) امام احمد نے ”المسند“ (221/2) اور امام بیہقی نے ”شعب الایمان“ (2533) میں روایت کیا ہے۔ لیکن یہ روایت ضعیف

ہے۔ اس کی سند میں ابن لہیعہ ہے جو مدلس اور مختلط راوی ہے۔

ہمارے شیخ حافظ زبیر علی زئی نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں کہ ابن لہیعہ کی حدیث دو شرطوں کے ساتھ حسن ہوتی ہے۔

(1) اس نے وہ راویت اختلاط سے پہلے بیان کی ہو۔ (2) اور اپنے سماع کی صراحت کی ہو۔ بصورت دیگر اس کی بیان کردہ حدیث ضعیف ہے۔ ابن لہیعہ کے متعلق یہی زیادہ منصفانہ بات ہے۔ (دیکھیں: الفتح المبین، ص: 159۔ القول القوی فی نقد الرجال، ص: 188) مذکورہ روایت میں یہ دونوں شرطیں مفقود ہیں:

(1) امام قتیبہ بن سعید کا ابن لہیعہ سے سماع اختلاط سے پہلے ثابت نہیں۔ امام ابوبکر الاثرم فرماتے ہیں: سمعت ابا عبد اللہ احمد بن حنبل، و ذکر قتیبہ بن سعید فاثني عليه وقال: هو من آخر من سمع من ابن لہیعہ، ”میں نے ابو عبد اللہ احمد بن حنبل کو سنا انھوں نے قتیبہ بن سعید کا ذکر کیا تو ان کی تعریف کی اور کہا: وہ ابن لہیعہ سے اس کی آخری عمر میں سماع کرنے والوں میں سے ہیں۔ (سؤالات أبی بکر الاثرم، ص: 169) (2) اور ابن لہیعہ کے سماع کی صراحت بھی نہیں ملتی۔

معلوم ہوا کہ یہ روایت ضعیف ہے۔ اسے حافظ ابن حجر (التلخیص الحبیبر: 387/1 شاملہ) علامہ بوسیری (مصباح الزجاجة: 62/1 شاملہ) اور دیگر علماء نے بھی ضعیف کہا ہے۔

(2)..... آپ نے ایک بہت بڑے سکا لڑکی زبانی جو روایت سنی کہ ((مَنْ عَرَفَ نَفْسَهُ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهُ)) ”جس نے اپنی ذات کو پہچان لیا اس نے اپنے رب کو پہچان لیا۔“ یہ موضوع ہے۔ ضعیف اور موضوع احادیث کے سلسلے میں لکھی گئی کتب میں اس کا ذکر ملتا ہے۔ مثلاً سخاوی کی ”المقاصد الحسنة“ (ج: 1149) علامہ محمد طاہر ہندی کی ”تذکرۃ الموضوعات“ (ص: 11) علامہ صنعانی کی ”الموضوعات“ (ج: 27) ابو الحسن علی بن محمد الکنانی کی ”تنزیہ الشریعة“ (2/492 شاملہ) بدرالدین زکشی کی ”التذکرۃ فی الاحادیث المشتهرة“ (1/129 شاملہ) عجلونی کی ”کشف الخفا“



(ج: 2532) ملا علی القاری کی ”الموضوعات الكبرى“ (ج: 937) اور دیگر علماء کی کتب میں اس کا ذکر ملتا ہے۔ لیکن مستند احادیث کی کتب میں سے کسی میں بھی اس کا ذکر نہیں ملتا۔ یہ بالکل من گھڑت ہے۔ علماء کرام نے اسے موضوع کہا ہے۔  
شیخ الاسلام ابن تیمیہ فرماتے ہیں:

”وبعض الناس يروى عن النبي ﷺ وليس هذا من كلام النبي ﷺ ولا هو في شيء من كتب الحديث ولا يعرف له اسناد.“ ”بعض لوگ اسے نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں حالانکہ یہ نبی ﷺ کا کلام نہیں ہے اور نہ اس قسم کی کوئی چیز کتب حدیث میں ہے اس کی سند بھی نامعلوم ہے۔“ (مجموع الفتاوى: 349/16 الشامله)  
شیخ ناصر الدین البانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: لا اصل له ”اس کی کوئی اصل نہیں“

(سلسلة الاحاديث الضعيفة: 165/1)

(25-7-2018)

**سوال:**..... شیخ صاحب! اس دعا کے بارے میں آپ سے پوچھنا تھا: ((اللَّهُمَّ اكْفِنِي بِحَلَالِكَ عَنْ حَرَامِكَ وَأَغْنِنِي بِفَضْلِكَ عَمَّنْ سِوَاكَ)) اسے شیخ زبیر علی زئی رحمہ اللہ نے حسن کہا ہے جب کہ دوسری کئی علماء ضعیف کہتے ہیں۔ راجح کیا ہے؟  
والسلام!

(سید محمد سلمان شاہ، ملتان خورو)

**جواب:**..... ابو وائل سے مروی ہے کہ ایک مکاتب غلام سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور کہنے لگا: میں اپنی مکاتبت کی رقم ادا کرنے سے عاجز آچکا ہوں آپ میری مدد کیجیے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کیا میں تجھے وہ کلمات نہ سکھاؤں جو رسول اللہ ﷺ نے مجھے سکھائے تھے؟ اگر تجھ پر ”صیر“ پہاڑ جتنا قرض بھی ہو تو اللہ تعالیٰ تیری طرف سے اسے ادا کر دے گا۔ تو یہ کلمات پڑھا کر: ((اللَّهُمَّ اكْفِنِي بِحَلَالِكَ عَنْ حَرَامِكَ وَأَغْنِنِي بِفَضْلِكَ عَمَّنْ سِوَاكَ))



”سَوَآكُ“) اے اللہ! مجھے اپنے حرام کردہ سے اپنے حلال کے ساتھ کفایت فرما، اور اپنے فضل کے ساتھ مجھے اپنے ماسوا سب سے بے نیاز کر دے۔“ (جامع الترمذی: 3563) یہ روایت حسن لذاتہ ہے۔ اس پر ہمارے شیخ حافظ زبیر علی ؓ کا حکم ہی درست ہے۔ عبدالرحمن بن اسحاق سے مراد عبدالرحمن بن اسحاق القرشی المدنی ہے۔ اس لیے کہ:

(1) الجرح والتعديل (212/5) اور تاریخ دمشق (191/34) میں اسحاق القرشی المدنی کے شیوخ میں سیارابی الحکم کا ذکر موجود ہے۔

(2) مسند احمد (153/1) فضائل الصحابة للاحمد (1208) مستدرک حاکم (538/1) الاحادیث المختارة للمقدسی (489) اور الدعوات الکبیر للبیہقی (177 الشاملہ) میں اس بات کی صراحت ہے کہ یہ ابن اسحاق القرشی ہے۔ مسند احمد کے محققین کا ابن اسحاق کو ابوشیبہ الواسطی (ضعیف عند الجمہور) قرار دینا اور ابن اسحاق القرشی (صدوق) کہنے کو وہم قرار دینا درست نہیں۔ جب ابن اسحاق القرشی کے شیوخ میں سیارابی الحکم کا نام ملتا ہے اور اتنے محدثین بھی اسے ”القرشی“ کہہ رہے ہیں تو پھر یہ وہم کیونکر ہوا؟ اسے وہم کہنا خود وہم ہے۔ بہر حال یہ عبدالرحمن الکوئی نہیں بلکہ عبدالرحمن القرشی المدنی ہے جو کہ صدوق راوی ہے۔ اسی وجہ سے ہمارے شیخ ؓ نے اسے ”حسن“ کہا ہے۔ قبل ازیں امام ترمذی اسے ”هذا حدیث حسن غریب“ کہہ چکے ہیں۔ علامہ نووی نے ”الاذکار“ (رقم: 1185-377) المنذری نے ”الترغیب والترہیب“ (2714) ابن مفلح نے ”الآداب الشرعیة“ (194/1 الشاملہ) اور ابن القیم نے ”الوابل الصیب“ (167/1 الشاملہ) میں امام موصوف کے حکم کو برقرار رکھا اور اس پر کوئی اعتراض نہیں کیا۔ علاوہ ازیں امام حاکم نے اسے ”صحیح الاسناد“ کہا، ذہبی نے ان کی موافقت کی۔ حافظ ضیا المقدسی نے ”اسنادہ حسن“ کہا۔ اسی طرح شیخ البانی بھی اسے ”سلسلة الصحیحة“ (266) میں ”حسن الاسناد“ بتاتے ہیں۔ سورنج یہی ہے کہ یہ روایت ”حسن لذاتہ“ ہے۔ الحمد للہ (1-8-2018)

**سوال:**..... شیخ محترم! اس روایت کا حکم معلوم کرنا تھا: ((مَنْ بَاعَ جِلْدَ أَضْحِيَّتِهِ فَلَا

أُصْحِيَّةً لَهُ)) اللہ تعالیٰ آپ کو جزا دے۔

والسلام!

(قاری محمد اسماعیل السلفی، جھنگ سٹی)

**جواب:**..... سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((مَنْ بَاعَ جِلْدَ أُصْحِيَّتِهِ فَلَا أُصْحِيَّةَ لَهُ)) ”جس نے اپنی قربانی کی کھال فروخت کی اس کی کوئی قربانی نہیں۔“

اسے امام حاکم نے المستدرک (389/2) اور بیہقی نے ”السنن الكبرى“ (19232) اور السنن الصغیر (810) میں روایت کیا ہے اس کی سند ”حسن لذاتہ“ ہے۔ عبد اللہ بن عیاش المصری اور یحییٰ بن ابی طالب پر کچھ کلام ہے لیکن جمہور کے ہاں یہ صدوق اور حسن الحدیث ہیں۔ (دیکھیں: ماہنامہ الحدیث: 88/95-89-80/7-القول القوی، ص: 178-341) لہذا یہ روایت حسن درجے کی ہے۔ (2018-18-11)



### ماہ جولائی و اگست میں ”نور الحدیث“ جاری کروانے والے

- |                                     |   |                                  |
|-------------------------------------|---|----------------------------------|
| جناب ریاض ابوبکر، فورٹ عباس         | © | جناب رائے غلام محمد، سرگودھا     |
| جناب اخلاص احمد، راولپنڈی           | © | جناب محمد ذوالقرنین، فیصل آباد   |
| جناب محمد حاشر اعجاز، لاہور         | © | حافظ محمد اسماعیل السلفی، لاہور  |
| جناب حافظ حسنین احمد، لاہور         | © | قاری شہزاد احمد، لاہور           |
| جناب جاوید صاحب، لاہور              | © | جناب عابد صاحب، لاہور            |
| سید حسنت الحسن بخاری، واہنڈو        | © | جناب عبد الحفیظ تائب، مظفر گڑھ   |
| جناب محمد نواز محمدی، لاہور         | © | جناب علی رضوان سلیمی، اسلام آباد |
| کرنل (ریٹائرڈ) رشید احمد، راولا کوٹ | © | جزاہم اللہ خیراً                 |

## ضعیف حدیث کا حکم

ڈاکٹر ابو جابر عبد اللہ دامانوی

جب حدیث ضعیف ہو تو اس کی نسبت رسول اللہ ﷺ کی طرف ہرگز نہیں کرنی چاہیے۔ بلکہ ضروری ہے کہ اس کے ضعف کو واضح کیا جائے۔ آج امت میں بہت سارے اختلافات کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ بعض طبقوں نے ضعیف کو نہ صرف فضائل بلکہ عقائد و احکام میں بھی حجت سمجھ لیا ہے۔ صحیح حدیث کے ہوتے ہوئے ضعیف حدیث پر عمل کرنا لاعلمی کی بنا پر بھی ہو سکتا ہے اور مسلکی تعصب کی بنیاد پر بھی۔

واضح رہے کہ محققین علماء کے نزدیک ضعیف حدیث نہ صرف احکام بلکہ فضائل میں بھی حجت نہیں، عجیب ہے کہ صحیح احادیث کے ہوتے ہوئے نہ صرف ضعیف احادیث پر عمل کیا جائے بلکہ ان پر عمل کرنے کی ترغیب دی جائے۔ جن علماء و محدثین نے مطلقاً ضعیف حدیث پر عمل کرنے سے منع کیا ہے، ان کے اقوال ذیل میں پیش کیے جاتے ہیں:

1:..... امام مسلم رحمہ اللہ (المتوفی 261ھ) فرماتے ہیں:

وَأَنَّمَا أَلْزَمُوا أَنْفُسَهُمُ الْكُشْفَ عَنْ مَعَايِبِ رُوَاةِ الْحَدِيثِ وَنَاقِلِي الْأَخْبَارِ، وَأَفْتَوْا بِذَلِكَ حِينَ سُئِلُوا، لِمَ فِيهِ مِنْ عَظِيمِ الْحِطِّ، إِذَا الْأَخْبَارُ فِي أَمْرِ الدِّينِ إِنَّمَا تَأْتِي بِتَحْلِيلٍ، أَوْ تَحْرِيمٍ، أَوْ أَمْرٍ، أَوْ نَهْيٍ، أَوْ تَرْغِيبٍ، أَوْ تَرْهِيْبٍ.

”اور ائمہ حدیث نے اپنے آپ کو حدیث کے راویوں کے عیب بیان کرنے کا پابند بنایا اور جب ان سے اس کے بارے میں سوال کیا گیا تو انھوں نے اس کے جواز کا فتویٰ دیا کیونکہ اس میں بڑا فائدہ ہے۔ وجہ یہ ہے کہ دین کے معاملے میں جو احادیث و اخبار وارد ہوئی ہیں، وہ یا تو کسی چیز کی حلت و حرمت، حکم یا منع، ترغیب



(کسی کام کی طرف رغبت دلانے کے لیے) یا ترہیب (کسی گناہ سے ڈرانے کے لیے) بیان کرنے کے لیے ہیں۔“ (صحیح مسلم، المقدمة، ص: 19)

معلوم ہوا کہ امام مسلم کے نزدیک ترغیب یا ترہیب کے لیے بھی احادیث کا صحیح ہونا ضروری ہے، کسی چیز کی حلت و حرمت، حکم یا منع کے لیے تو حدیث کا صحیح ہونا از حد ضروری ہے۔

2:..... حافظ ابن رجب حنبلی رحمہ اللہ (المتوفی 795ھ) امام مسلم رحمہ اللہ کی مندرجہ بالا عبارت کی تشریح کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

وظاهر ما ذكره مسلم في مقدمة كتابه يقتضي أنه لا تروى أحاديث الترغيب والترهيب إلا عمن تروى عنه الأحكام.

”امام مسلم نے اپنی کتاب کے مقدمہ میں جس چیز کا ذکر کیا ہے، اس کا تقاضا یہ ہے کہ جس راوی سے احکام کی روایات نقل کی جائیں، اسی سے ترغیب و ترہیب کی روایات نقل کی جائیں (یعنی ان کے نزدیک احکام اور فضائل میں حدیث کے راوی کا ثقہ ہونا ضروری ہے)۔“ (شرح علل الترمذی: 74/1)

3:..... علامہ ابن جوزی رحمہ اللہ (المتوفی 597ھ) واعظین اور قصہ گو خطیبوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ان قوما منهم (القصاص) كانوا يضعون احاديث الترغيب والترهيب ولبس عليهم إبليس بأننا نقصد حث الناس على الخير وكفهم عن الشر وهذا افتيات منهم على الشريعة لأنها عندهم على هذا الفعل ناقصة تحتاج إلى تتمه ثم نسوا قوله ﷺ: ”من كذب علي متعمدا فليتبوأ مقعده من النار.“

”ان میں ایسے لوگ بھی تھے جو ترغیب و ترہیب کی احادیث وضع کرتے تھے اور ابلیس نے ان پر یہ وار کیا کہ ہم احادیث اس لیے گھڑتے ہیں کہ ہم لوگوں کو نیکی



پر ابھاریں اور انھیں برائی سے روکیں، اور یہ ان کی شریعت پر افترا پر دازی ہے، وجہ یہ ہے کہ ان کے نزدیک شریعت ناقص ہے، جسے مکمل کرنے کی ضرورت ہے، حالانکہ وہ رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان بھلا بیٹھے ہیں کہ ”جس نے مجھ پر جان بوجھ کر جھوٹ باندھا وہ اپنا ٹھکانہ جہنم کو بنائے۔“ (تلبیس ابلیس، ص: 111)

4:..... شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (المتوفی 728ھ) فرماتے ہیں:

ولا يجوز أن يعتمد في الشريعة على الأحاديث الضعيفة التي ليست صحيحة ولا حسنة .

”شریعت میں ضعیف احادیث جو کہ نہ صحیح ہیں نہ حسن، ان پر اعتماد کرنا جائز نہیں۔“ (قاعدة جلیلة فی التوسل والوسيلة، ص: 175)

اور فرماتے ہیں:

وَلَمْ يَقُلْ أَحَدٌ مِنَ الْأَئِمَّةِ إِنَّهُ يَجُوزُ أَنْ يُجْعَلَ الشَّيْءُ وَاجِبًا أَوْ مُسْتَحَبًّا بِحَدِيثٍ ضَعِيفٍ وَمَنْ قَالَ هَذَا فَقَدْ خَالَفَ الْإِجْمَاعَ .  
”کسی بھی امام نے ضعیف حدیث کی بنیاد پر کسی چیز کو واجب یا مستحب قرار نہیں دیا اور جس نے بھی ایسی بات کی اس نے اجماع کی مخالفت کی۔“

(مجموع الفتاویٰ: ج 1 ص 251)

5:..... شیخ عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ (المتوفی 1332ھ) رقم طراز ہیں:

ويحرم التساهل فيه سواء كان في الاحكام والقصاص أو الترغيب والترهيب أو غير ذلك .

”ضعیف حدیث کے معاملے میں تساہل برتنا حرام ہے، خواہ احکام و قصص ہوں یا ترغیب و ترہیب یا اس کے علاوہ ہوں۔“ (الآثار المرفوعة فی الاخبار

الموضوعة، ص 21)

6:..... علامہ جمال الدین القاسمی رحمہ اللہ (المتوفی 1332ھ) نے ان محدثین کا ذکر کیا



ہے جو مطلقاً ضعیف روایت پر عمل کو جائز نہیں سمجھتے تھے، خواہ وہ احکام میں ہوں یا فضائل میں۔ ان میں یحییٰ بن معین، امام بخاری، امام مسلم، ابن العربی اور ابن حزم کے نام شامل ہیں۔ (قواعد التحذیر، ص: 113)

7:..... علامہ احمد شاکر رحمہ اللہ (المتوفی 1377ھ) فرماتے ہیں:

وانه لا فرق بين الاحكام وبين فضائل الاعمال ونحوها في عدم الاخذ بالرواية الضعيفة، بل لاحجة لاحد الا بما صح عن رسول الله ﷺ من حديث صحيح او حسن .  
”ضعیف روایت کو نہ لینے کے حوالے سے احکام اور فضائل اعمال وغیرہ کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے، بلکہ کسی شخص کے لیے رسول اللہ ﷺ سے مروی صحیح یا حسن احادیث کے علاوہ کسی اور چیز کے ساتھ کوئی حجت نہیں۔“

(الباعث الحثیث، ص 86، 87)

8:..... شیخ محمد ناصر الدین البانی رحمہ اللہ (المتوفی 1420ھ) فرماتے ہیں:

ان الحديث الضعيف لا يعمل مطلقا، لا في الفضائل والمستحبات ولا في غيرها .  
”ضعیف حدیث پر مطلقاً عمل نہ ہوگا، نہ فضائل میں اور نہ مستحبات میں اور نہ ہی ان کے علاوہ کسی اور چیز میں۔“ (مقدمة صحيح الجامع الصغير: ج 1، ص 50)  
(المکتب الاسلامی)

مندرجہ بالا اقوال سے یہ بات بالکل واضح ہے کہ عمل صحیح یا حسن روایت ہی پر ہوگا، ضعیف روایت پر نہیں۔ نیز ضعیف روایت نہ تو احکام کے سلسلے میں حجت ہے اور نہ فضائل میں۔



ڈاکٹر ابو جابر عبد اللہ دمانوی

## صلوۃ الضحیٰ کی بعض ضعیف روایات پر ایک نظر

صلوۃ الضحیٰ کی بعض صحیح احادیث گزشتہ مضمون میں پیش کر دی گئی ہیں۔ (دیکھئے: نور الحدیث نمبر 2) اور ضروری ہے کہ انھی صحیح احادیث ہی کی نشر و اشاعت کی جائے اور ضعیف احادیث کو بیان کرنے سے اجتناب کیا جائے۔ چونکہ اس سلسلہ میں بعض ضعیف احادیث بھی موجود ہیں جنہیں واعظین حضرات اکثر اپنے خطبات میں بیان کرتے رہتے ہیں۔ لہذا ان ضعیف احادیث کی حقیقت کو یہاں بیان کیا جا رہا ہے تاکہ بیان کرنے والے انہیں بیان کرنے سے باز رہیں اور وہ صرف صحیح احادیث ہی پر اکتفا کریں۔

1:.....سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((مَنْ صَلَّى الْفَجْرَ فِي جَمَاعَةٍ ثُمَّ قَعَدَ يَذْكُرُ اللَّهَ حَتَّى تَطْلُعَ الشَّمْسُ ثُمَّ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ كَانَتْ لَهُ كَأَجْرِ حَجَّةٍ وَعُمْرَةٍ)) قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ ((تَامَّةٌ تَامَّةٌ تَامَّةٌ)) (سنن الترمذی: 586)

”جو شخص نماز فجر باجماعت ادا کرتا ہے، پھر اسی جگہ بیٹھ کر طلوع آفتاب تک اللہ کا ذکر کرتا رہتا ہے پھر دو رکعتیں پڑھتا ہے تو اس کے لیے مکمل حج و عمرہ کا ثواب ہے۔“ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”پورا، پورا، پورا۔“ یعنی حج و عمرہ کا پورا ثواب۔“

اس حدیث کا ایک راوی ابو ظلال بن ابی ہلال ضعیف ہے۔ (تقریب: 7349) یہ حدیث اپنے شواہد کے باوجود بھی ضعیف ہے۔ حافظ زبیر علی زکی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس حدیث کا راوی ابو ظلال ہلال بن ابی ہلال ضعیف ہے۔ بیہمی نے کہا: وضعفہ الجمهور اسے جمہور نے ضعیف کہا ہے۔ (مجمع الزوائد: 384/10) اور کہا: والا کثر علی



تضعیفہ . اور اکثر محدثین اسے ضعیف قرار دیتے ہیں۔ (ایضاً: 36/1) اور مجمع الزوائد (106/10) اور الترغیب (166/1) وغیرہ میں اس کے کچھ ضعیف شواہد بھی ہیں۔

(انوار الصحیفة، ص: 204)

2:.....سیدنا ابوامامہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((مَنْ صَلَّى صَلَاةَ الْغَدَاةِ فِي جَمَاعَةٍ، ثُمَّ جَلَسَ يَذْكُرُ اللَّهَ حَتَّى تَطْلُعَ الشَّمْسُ، ثُمَّ قَامَ فَارْكَعَ رَكَعَتَيْنِ، انْقَلَبَ بِأَجْرِ حَجَّةٍ وَعُمْرَةٍ.)) (معجم الكبير للطبرانی: 7741 مسند الشاميين: 885)  
”جس شخص نے صبح کی نماز باجماعت ادا کی پھر وہ بیٹھ کر اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا رہے یہاں تک کہ سورج طلوع ہو جائے پھر کھڑے ہو کر دو رکعتیں ادا کرے تو وہ حج و عمرہ کا اجر لے کر پلٹے گا۔“

حافظ زبیر علی زئی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کے متعلق لکھتے ہیں:

تنبیہ:.....شیخ البانی نے السلسلة الصحيحة (3403) میں روایت مذکورہ (سیدنا انس رضی اللہ عنہ والی روایت) کے دو شاہد بیان کیے ہیں:

(1) المعجم الكبير للطبرانی (209/8 ح 7741)

اس میں عثمان بن عبد الرحمن بن مسلم الحرانی الطرائفی کا استاد موسیٰ بن علی (عین کی زبر کے ساتھ، الحشنی) نامعلوم ہے اور اس سے موسیٰ بن علی بن رباح (عین کی پیش کے ساتھ) مراد لینا بلا دلیل ہونے کی وجہ سے مردود ہے۔

طرائفی مذکور کا یہ طریقہ کار تھا کہ وہ مجہول لوگوں سے منکر روایتیں بیان کرتا تھا۔ دیکھئے: اکا مل لابن عدی: (5/1820-1821، دوسرا نسخہ 6/295-298) خود طرائفی پر سات نے جرح کی ہے اور سات نے توثیق کی ہے۔ واللہ اعلم

خلاصہ یہ کہ یہ سند موسیٰ بن علی (?) کی وجہ سے ضعیف ہے۔ (الحديث: 81 ص 11، 12)  
ما شاء اللہ الشیخ زبیر علی زئی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کے راویوں کا انتہائی گہرا مطالعہ کر کے



اس روایت کی اصل حقیقت واضح کر دی ہے جب کہ دوسرے علماء کرام اس کی تہہ تک نہ پہنچ سکے۔ فجزاہ اللہ خیرا فاحسن الجزاء

3:.....سیدنا ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے اسی مضمون کی ایک اور روایت بھی المعجم الكبير للطبرانی (7649-123/8) میں موجود ہے۔ لیکن اس روایت کی سند میں ایک راوی الاحوص بن حکیم ہے جو ضعیف ہے۔ شیخ البانی فرماتے ہیں: ضعیف لسوء حفظه . وہ برے حافظ کی وجہ سے ضعیف ہے۔ (الصحيحة : 3403)

4:.....اس مضمون کی ایک اور روایت جسے الترغیب والترہیب اور صحیح الترغیب میں امام طبرانی کی کتاب ”المعجم الاوسط“ (5602 عن ابن عمر) سے نقل کیا گیا ہے۔ اس کی سند میں ایک راوی فضل بن موفق ہے جو ضعیف ہے۔

امام ابو حاتم الرازی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”ضعيف الحديث ، كان شيخا صالحا قرابة لابن عيينة وكان يروى احاديث موضوعه“ وہ حدیث میں ضعیف ہے، نیک آدمی تھا، سفیان بن عیینہ کا رشتہ دار تھا اور موضوع حدیثیں بیان کرتا تھا۔ (کتاب الجرح والتعديل 68/7)

5:.....سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی ایک روایت میں ہے کہ سورج کے طلوع ہونے کے بعد چار رکعت ادا کرنے والا گناہوں سے اس طرح پاک ہو جاتا ہے جیسے اس کی ماں نے اسے آج ہی جنا ہو۔“ (مسند ابی یعلیٰ: 4365۔ مجمع الزوائد: 134/10 ح 16941)

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس حدیث کو روایت کرنے والی راویہ عمرہ ہیں اور حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ عمرہ نام کی پانچ یا چھ خواتین ان سے روایت کرتی ہیں۔ اور یہ مشہور عمرہ بنت عبد الرحمن بن سعد ابن زرارہ الانصاریہ، المدنیہ نہیں ہیں، بلکہ یہ عمرہ بنت ارداد ہیں اور جن سے الطیب بن سلیمان روایت کرتے ہیں اور یہ راویہ مجہولہ ہیں۔ اور الطیب بن سلیمان ابو حذیفہ المصری جرح و تعدیل میں برابر ہونے کی بنا پر ان پر توقف کیا جائے گا۔ بہر حال یہ روایت بھی ضعیف ہے۔



5:..... سیدنا عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کی ایک روایت میں نبی ﷺ نے صلاۃ الضحیٰ کے لیے مسجد کی طرف روانہ ہونے والے کو بہت جلد واپس آنے والے اور بے انتہا مال غنیمت لے کر واپس لوٹنے والے لشکر سے بھی اجر و ثواب میں بڑھ جانے والا قرار دیا ہے۔  
(مسند احمد: 175/2 ح 6638)

مسند احمد کی اس روایت میں ابن لہیعہ ہے جو مدلس اور مختلط راوی ہے۔ البتہ امام طبرانی المعجم الكبير میں ابن لہیعہ کی متابعت میں ابن وہب کی روایت لائے ہیں جیسا کہ امام الہیثمی نے مجمع الزوائد: (235/2) میں نقل کیا ہے۔ اور کہا ہے کہ اس حدیث کے رجال ثقہ ہیں کیوں کہ انھوں نے ابن لہیعہ کے بجائے ابن وہب سے روایت لی ہے۔ اور امام المذہبی نے بھی اس روایت کو باسناد جید کہا ہے۔ (الترغیب والترہیب: 463/1) لیکن ابن لہیعہ اور ابن وہب کے استاد حُجَّی بن عبداللہ ضعیف ہے۔ اسے امام احمد، بخاری اور نسائی نے ضعیف قرار دیا ہے۔ دیکھئے: (الموسوعة الحديثية، مسند الامام احمد بن حنبل: 213/11، 214)

اس سلسلہ کی ایک روایت سیدنا عمر بن الخطابؓ سے بھی مروی ہے۔ دیکھئے: جامع الترمذی (3561)، مشکاة (977) لیکن اس کی سند میں محمد بن ابی حمید ہے جو ضعیف ہے۔ محدثین نے اس پر سخت جرح نقل کی ہے۔ دیکھئے: تہذیب التہذیب (133/9) البتہ اس مضمون کی ایک حدیث جو سیدنا ابو ہریرہؓ سے مروی ہے، وہ صحیح ہے۔ دیکھئے: مسند ابن یعلیٰ (6559) ابن حبان (2535) الکامل (691/2) کشف الاستار (18/4) وقال الهیثمی فی المجمع (408/2): رواہ ابو یعلیٰ ورجالہ رجال الصحیح، الموسوعة الحديثية مسند الامام احمد بن حنبل (214/11) قلت: واسناده صحیح۔ نیز دیکھئے ”نور الحدیث“ 2 ص 45۔

**خلاصۃ الکلام:** ..... بہر حال ان احادیث کو نقل کرنے کا مقصد یہ ہے کہ علماء کرام اور واعظین حضرات ان ضعیف روایات سے باخبر ہو جائیں اور انھیں دوران تقریر یا خطبات بیان کرنے سے اجتناب کریں۔ اور صرف وہی احادیث لوگوں کے سامنے بیان کریں جو صحیح

الاسناد ہوں اس لیے کہ ضعیف روایت مشکوک ہوتی ہے اور نبی ﷺ کا فرمان ہے:  
 ((دَعَا مَا يُرِيْبُكَ اِلٰى مَا لَا يُرِيْبُكَ، فَاِنَّ الصَّدَقَ طُمَآئِنِيَّةٌ، وَاِنَّ

الْكَذِبَ رِيْبَةٌ.)) (سنن الترمذی: 2518- سنن النسائی: 5714)

”جو چیز تجھے شک میں ڈالے اسے چھوڑ دے اور جو چیز شک سے بالاتر ہو اسے

اختیار کر لے۔ کیوں کہ سچائی میں اطمینان ہے اور جھوٹ میں شک ہے۔“

ضعیف راوی جب کسی روایت کو بیان کرتا ہے تو اس روایت کے مفہوم ہی کو بدل ڈالتا ہے یہی وجہ ہے کہ علماء محققین ضعیف روایات سے کوسوں دور بھاگتے ہیں اور اس کی کچھ مثالیں کسی دوسرے مقام پر بیان کی جائیں گی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ العزیز

### سیدنا اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ کا مزاح

[ابوموسیٰ]

جناب عبد الرحمن بن ابولیلیٰ حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں اور یہ انصار میں سے تھے۔ یہ ایک دفعہ اپنی قوم سے باتیں کر رہے تھے۔ مزاحیہ آدمی تھے اور انھیں ہنسار ہے تھے کہ نبی ﷺ نے ان کی کوکھ میں ایک لکڑی چھودی تو انھوں نے (اسید بن حضیر نے) کہا: مجھے بدلہ دیجیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”لے لو۔“ انھوں نے کہا: آپ پر تو قمیص ہے اور مجھ پر قمیص نہیں تھی تو نبی ﷺ نے اپنی قمیص اوپر کر دی۔ اسید نے آپ ﷺ کو اپنے بازوؤں میں لے لیا اور آپ کے پہلو پر بوسے دینے لگے اور کہنے لگے: اے اللہ کے رسول! میری یہی نیت تھی۔ (سنن ابی داود: 5224،

قال شیخنا زبیر علی زئی رحمہ اللہ: صحیح)

☆☆☆



امام عثمان بن سعید الدارمی کی شہرہ آفاق کتاب

قسط: 1

## ”الرد علی الجہمیۃ“

یعنی

## جہمیہ کے گمراہ کن عقائد کا رد

اردو قالب: پروفیسر ابو حمزہ سعید مجتبیٰ السعیدی

[”کتاب الرد علی الجہمیۃ“ محدث ہرات امام عثمان بن سعید الدارمی کی تالیف کردہ ہے۔ امام موصوف 200ھ سے کچھ پہلے پیدا ہوئے، حصول علم کی خاطر حرمین، حجاز، شام، مصر، عراق اور بلاد عجم کا رخ کیا اور وہاں کے معروف اور جید علماء کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیے، آپ کی توثیق، امامت اور جلالت پر محدثین اور علماء حق متفق ہیں۔ آپ نے 280ھ میں وفات پائی۔ رحمہ اللہ۔ ”کتاب الرد علی الجہمیۃ“ جیسا کہ نام ہی سے پتا چل رہا ہے کہ اس میں امام موصوف نے ”فرقہ جہمیہ“ کے گمراہ کن عقائد کی خبر لی ہے۔ جہمیہ ماضی میں ایک فرقہ گزرا ہے جس کے عقائد و نظریات سراسر اسلامی تعلیمات کے منافی تھے۔ علماء حق نے بروقت ان کی خبر لی اور ان کے عقائد کا کفریہ اور شرکیہ ہونا واضح کیا۔ گو اب یہ فرقہ اپنا وجود کھو چکا ہے لیکن اس کے نظریات و عقائد کے اثرات آج بھی موجود ہیں۔ جس وقت یہ اپنے عروج پر تھا، اس وقت امام دارمی نے اس کے رد میں دو عظیم الشان کتابیں لکھیں: (1) کتاب الرد علی الجہمیۃ (2) کتاب الرد علی بشر المریسی۔



حکیم الامت علامہ ابن القیم رحمہ اللہ رقمطراز ہیں:

وکتاہ من اجل الكتب في السنة وانفعهما، وينبغي لكل طالب سنة مراده الوقوف على ما كان عليه الصحابة والتابعين والائمة ان يقرأ كتابيه، وكان شيخ الاسلام ابن تيمية رحمہ اللہ يومي بهذين الكتابين اشد الوصية ويعظمهما جدا، وفيهما من تقرير التوحيد والاسماء والصفات بالعقل والنقل ما ليس في غيرهما.

”اور اس (امام دارمی) کی یہ دونوں کتب (الرد علی الجہمیہ اور الرد علی بشر المریسی) سنت پر لکھی ہوئی بہترین اور انتہائی نفع بخش کتابوں میں سے ہیں۔ حدیث و سنت کا ہر طالب علم جو صحابہ، تابعین اور آئمہ دین سے محبت رکھتا ہے اسے چاہیے کہ یہ دونوں کتابیں ضرور پڑھے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ ان دونوں کتابوں کو پڑھنے کی زبردست وصیت فرمایا کرتے تھے اور ان کی بے حد تعظیم کیا کرتے تھے ان دونوں کتابوں میں توحید اور اسماء و صفات کا ثبوت عقل و نقل دونوں سے پیش کیا گیا ہے۔ یہ برتری دوسری کسی کتاب کو (ان مسائل میں) حاصل نہیں ہے۔“ (اجتماع الجیوش الاسلامیہ، ص 172)

کتاب الرد علی الجہمیہ کا اردو ترجمہ راقم کی درخواست پر جماعت کے معروف عالم دین اور انجی و محبی فی اللہ جناب پروفیسر سعید مجتبیٰ السعیدی رحمہ اللہ نے کیا ہے۔ ہم شیخ محترم کے اس پر بے حد مشکور ہیں کہ انھوں نے اپنی گونا گویا مصروفیات کو ایک طرف رکھتے ہوئے وقت دیا۔ فجزاہ اللہ خیرا۔ اسے ہم تحقیق و تخریج سے مزین کر کے اپنے قارئین کی خدمت میں سلسلہ وار پیش کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس کاوش کو قبول فرمائے۔ آمین۔ محمد ارشد کمال]



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

رَبِّ يَسِّرْ وَأَعِنْ بِرَحْمَتِكَ .

”اے رب! آسانی فرما اور اپنی رحمت سے مدد فرما۔“ (آمین)

باب اول:

### مقدمہ: اسلاف کے عقائد کا (اجمالی) تذکرہ

ابوالمکارم عبدالعظیم بن عبداللطیف بن ابی نصر الشراہی الاصبہانی رحمہ اللہ نے ہمارے نام ایک تحریر لکھ کر ہمیں خبر دی اور کہا کہ میں نے ماہ ربیع الثانی 567ھ میں محترمہ الشیخہ ام الصبح ضوۃ النساء بنت ابی الفتح عبدالرزاق بن محمد بن سہل الشراہی رحمہ اللہ کی خدمت میں اس کتاب کی قراءت کی تو انھوں نے ہمیں خبر دی کہ ماہ صفر 529ھ میں میرے والد ابو الفتح نے اصہبان میں واقع ہمارے گھر میں ہمیں خبر دی اور کہا کہ ہم سے شیخ، امام، نجم الخطباء، ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ بن محمد المذکر الہروی نے حدیث بیان کی، وہ ہرات کے نواح میں واقع ”صح“ نامی بستی کے رہنے والے تھے، میں نے ان کے سامنے اس اصل کتاب سے دیکھ کر قراءت کی، جس کو سامنے رکھ کر انھوں نے اپنے شیخ سے کتاب کا سماع کیا تھا اور وہ کتاب حافظ ابو الفتح بن سہکویہ کے ہاتھ سے لکھی ہوئی تھی۔

میں (ابو الفتح عبدالرزاق) نے ان (ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ الہروی) سے عرض کیا کہ آپ کو الشیخ، الفقیہ ابو روح ثابت بن محمد الازدی السعدی نے 456ھ کے دوران میں اس کتاب کے مندرجات کے متعلق خبر دیتے ہوئے کہا کہ مجھے میرے (ابو روح ثابت) کے والد ابو محمد محمد بن احمد بن محمد بن الفضل نے خبر دیتے ہوئے کہا کہ ہم سے ابو عبداللہ محمد بن اسحاق بن ابراہیم القرشی نے بیان کیا کہ امام ابو سعید عثمان بن سعید رحمہ اللہ نے فرمایا:

(1)..... تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جو ہر اس چیز کا مالک ہے جو آسمانوں میں، زمین میں، یا جو کچھ ان دونوں کے درمیان اور مٹی کی تہوں کے نیچے ہے۔ وہی عالم الغیب ہے جس سے زمین و آسمان میں ذرہ بھر بھی کوئی چیز پوشیدہ نہیں۔ وہ اپنی مخلوق کے ہر پوشیدہ



اور عیاں کاموں اور باتوں سے بخوبی واقف ہے۔

ہم اس کی تمام ترجموں اور تعریفات کے ساتھ اس کی حمد کرتے اور اس کی ہر اس صفت کا دل سے اقرار کرتے ہیں جو خود اس نے اپنے لیے اور اس کے رسول نے اس کے لیے بیان کی۔

(2)..... وہ اللہ رحمان، رحیم، (اپنے بندوں اور مخلوق کے بالکل) قریب، مجیب (اپنے بندوں اور مخلوق کی التجاؤں کو قبول کرنے والا) متکلم (کلام کرنے والا) قائل (گفتگو کرنے والا) شاء (چاہنے والا) مرید (ارادہ کرنے والا) فعال لما یرید (ہر اس کام کو کرنے والا، جس کا وہ ارادہ کرے) الاول قبل کل شیء (ہر چیز سے پہلا) لہ الامر من قبل ومن بعد (ماضی اور مستقبل میں اسی کا حکم جاری اور نافذ ہے) لہ الخلق والامر (ہر چیز اسی کی تخلیق اور ان میں اسی کا حکم نافذ ہے) تبارک اللہ رب العالمین (وہ اللہ رب العالمین اور برکتوں والا ہے) لہ الاسماء الحسنی (اسی کے بہت ہی اچھے اور پیارے نام ہیں)

زمین و آسمان کی ہر چیز اس کی تسبیح کرتی ہے، وہی ہر ایک پر غالب ہے اور حکمتوں والا ہے، وہ تنگی کرنے والا، فراخی کرنے والا، کلام کرنے والا، بندوں کے نیک اعمال کی وجہ سے ان سے خوش اور ان کی نافرمانی سے ناراض ہونے والا، گناہوں سے ناراض ہونے والا، نیکی کرنے والوں سے محبت کرنے والا، گناہ اور نافرمانی کو ناپسند اور مکروہ جاننے والا، بندوں کی اچھی باتوں پر مسکرائے والا، بعض چیزوں کا حکم اور بعض کاموں سے روکنے والا، بابرکت و باعزت چہرے والا، ہر بات کو سننے والا، ہر چیز اور ان کے کاموں کو دیکھنے والا اور واضح کلام کرنے والا ہے۔

اس کے دو ہاتھ، دو ٹھٹھیاں ہیں، وہ قدرت و سلطان و عظمت کا مالک اور ازلٰی علم کا حامل ہے۔ وہ ہمیشہ سے ان تمام صفات سے موصوف ہے۔ اور ہمیشہ ایسا ہی رہے گا۔ وہ اپنے عرش پر مستوی ہے اور اپنی مخلوق سے جدا ہے۔ تاہم مخلوق کی کوئی بھی بات اس

سے پوشیدہ نہیں۔ اس کا علم ہر ایک کو گھیرے ہوئے ہے، اس کی نگاہ ہر ایک پر ہے۔ ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ﴾ (الشوریٰ: 11) ”اس جیسا کوئی نہیں اور وہی سمیع و بصیر ہے۔“

(3)..... جو رب ان تمام صفات سے موصوف اور ان کا حامل ہے، ہم اس رب پر ایمان لاتے اور اسی کی عبادت کرتے ہیں۔ ہم اسی کے لیے نمازیں پڑھتے اور اسی کے سامنے سر بسجود ہوتے ہیں۔ پس جو کوئی عبادت کرتے ہوئے ایسے رب کے علاوہ کسی دوسرے ایسے معبود کی عبادت کا قصد کرے، جس میں یہ صفات نہ ہوں، تو وہ درحقیقت غیر اللہ کی عبادت کرتا ہے۔ اور اس کا معبود، حقیقی معبود نہیں۔ وہ معبود حقیقی کا کافر ہے۔ وہ اس حقیقی معبود کی رحمت و مغفران کا قطعاً حق دار نہیں۔

(4)..... اور ہم گواہی دیتے ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود (حقیقی) نہیں، وہ ہر لحاظ سے اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں۔ اور ہم اس بات کی بھی گواہی دیتے ہیں کہ محمد ﷺ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں، جنہیں اللہ نے اپنی وحی کے لیے چنا اور اپنی رسالت کے لیے ان کا انتخاب کیا، اور اپنی مخلوق کی ہدایت و رہنمائی کے لیے مخلوق میں سے ان کا انتخاب کیا۔ اور اس نے ان پر اپنی کلام مبین اور کتاب عزیز نازل فرمائی، جس کے متعلق اس کا ارشاد ہے:

﴿لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ ط تَنْزِيلٌ مِّنْ حَكِيمٍ حَنِيدٍ ۝﴾ (حُم السجدة: 42) ”یہ ایک ایسی زبردست کتاب ہے کہ باطل نہ سامنے سے اس پر آسکتا ہے، نہ پیچھے سے، یہ اس اللہ کی طرف سے نازل کردہ ہے جو حکیم و حمید ہے۔“

نیز اللہ تعالیٰ نے قرآن کے متعلق یوں ارشاد فرمایا: ﴿قُرْآنًا عَرَبِيًّا عَزِيزٌ ذُنِي عَوَجٍ﴾ (الزمر: 28) ”یہ قرآن عربی زبان میں ہے اور اس میں کسی قسم کی کجی نہیں۔“

نیز اللہ نے قرآن کے متعلق مزید فرمایا: ﴿يَهْدِي لِّلنَّبِيِّ هِيَ أَقْوَمُ وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِينَ﴾ (الاسراء: 9) ”یہ قرآن ایسی راہ دکھلاتا ہے جو بالکل سیدھی ہے اور جو لوگ اس پر ایمان

لے آتے ہیں یہ انھیں خوش خبریاں دیتا ہے۔“

یہ ایسی عظیم کتاب ہے جس میں گزشتہ زمانوں والے اور بعد میں آنے والے لوگوں کی خبریں ہیں، اس کی عبرتیں ختم ہونے والی نہیں، اس کے عجائبات بھی دائمی ہیں، یہ قرآن اللہ کا کلام ہے، مخلوق نہیں۔ نہ ہی اس کی نسبت کسی مخلوق کی طرف کی جاسکتی ہے۔

قرآن ہی کے متعلق اللہ تعالیٰ نے مزید فرمایا: ﴿نَزَّلَ بِهِ الرُّوحَ الْأَمِينُ ۖ عَلَى قَلْبِكَ لِتَكُونَ مِنَ الْمُنذِرِينَ ۝﴾ (الشعراء: 193-194) ”روح الامین یعنی جبریل علیہ السلام نے اسے اللہ سے حاصل کر کے آپ کے قلب اطہر پر اتارا ہے تاکہ آپ ان لوگوں میں سے ہو جائیں جو اللہ کی طرف سے اس کی مخلوق کو متنبہ کرنے والے ہیں۔“

نیز ارشاد فرمایا: ﴿مَنْ لَدُنْ حَكِيمٍ عَلِيمٍ ۝﴾ (النمل: 6) ”یہ قرآن آپ کی طرف اللہ حکیم و علیم کی طرف سے نازل کیا جا رہا ہے۔“

(5)..... اور اللہ نے فرمایا: ﴿وَإِنَّكَ لَتَلَقَّى الْقُرْآنَ مِنْ لَدُنْ حَكِيمٍ عَلِيمٍ ۝﴾ (النمل: 6) ”اور اے نبی! آپ یہ قرآن اللہ حکیم و علیم کی طرف سے حاصل کر رہے ہیں۔“

نیز ارشاد ہے: ﴿نَزَّلَ بِهِ الرُّوحَ الْأَمِينُ ۖ عَلَى قَلْبِكَ لِتَكُونَ مِنَ الْمُنذِرِينَ ۝﴾ بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُبِينٍ ﴿﴾ (الشعراء: 193-195) ”روح الامین یعنی جبریل علیہ السلام نے اسے اللہ کی طرف سے حاصل کر کے خالص عربی زبان میں آپ کے قلب اطہر پر نازل کیا ہے تاکہ آپ ان لوگوں میں سے ہو جائیں جو اللہ کی طرف سے اس کی مخلوق کو متنبہ کرنے والے ہیں۔“

(6)..... یہ ایسی عظیم اور بابرکت کتاب ہے کہ جس نے اس کے مطابق بات کی، اس نے سچ ہی کہا۔ اور جس نے اسے مضبوطی سے تھام لیا، اسے صراط مستقیم پر چلنے کی توفیق نصیب ہوگئی۔ اسی حوالے سے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ سے فرمایا: ﴿وَقُرْآنًا فَرَقْنَاهُ لِتَقْرَأَهُ عَلَى النَّاسِ عَلَى مُكْثٍ وَنَزَّلْنَاهُ تَنْزِيلًا ۝﴾ (الاسراء: 106) ”اور ہم نے اس قرآن کو آپ پر تدریجاً نازل کیا ہے تاکہ آپ بھی ٹھہر ٹھہر کر اسے لوگوں کو سنائیں۔ اور ہم نے بھی اسے موقع بہ موقع تھوڑا تھوڑا کر کے نازل کیا ہے۔“

چنانچہ اللہ کی طرف سے نبی ﷺ کو جس طرح لوگوں کے سامنے پڑھنے اور انھیں سنانے کا حکم ملا تھا، آپ نے بعینہ اسی طرح اسے لوگوں کے سامنے پڑھا اور اللہ کی مخلوق کو اس کی طرف اعلانیہ اور پوشیدہ ہر طریقے سے دعوت دی۔ مگر مشرکین نے جب اسے نبی ﷺ کی زبان مبارک سے سنا تو انھوں نے آپ کو کبھی ساحر (جادوگر) کا ہن (غیب کی جھوٹ موٹ خبریں دینے والا نجومی) کبھی شاعر اور کبھی معلم مجنون یعنی سکھایا، پڑھایا ہوا اور پاگل جیسے ناروا القاب سے پکارا۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے مشرکین کی اس روش کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا: ﴿وَإِنَّا نَفْخُ الْسُّلْطَانُ مِنْهُمْ أَنِ امْشُوا وَاصْبِرُوا عَلَىٰ آلِهَتِكُمْ ۖ إِنَّ هَذَا لَكُنْزٌ يُّرَادُ ۖ مَا سَبَعْنَا بِهَذَا فِي الْإِلَهِ الْأَخْرَقَ ۖ إِنَّ هَذَا إِلَّا اخْتِلَافٌ ۚ﴾ (ص: 6-7) ”اور کافروں اور مشرکین کے سربراہ آوردہ لوگ یہ کہتے ہوئے چل دیئے کہ لوگو! یہاں سے چل دو اور تم اپنے معبودانِ باطلہ کی عبادت پر ڈٹے رہو اس نبی کی طرف سے یہ باتیں کسی اور مقصد اور غرض سے کہی جا رہی ہیں۔ ایسی باتیں ہم نے اس سے پہلے کسی دوسری ملت میں کبھی کسی سے نہیں سنیں۔ محمد کی یہ سب باتیں من گھڑت ہیں۔“

مشرکین کی ایک اور بات قرآن نے یوں نقل کی ہے انھوں نے کہا: ﴿إِنَّ هَذَا إِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ ۖ﴾ (المدثر: 25) ”کہ یہ تو محض ایک انسانی کلام ہے۔“

نیز مشرکین نے کبھی کہا: ﴿لَوْ نَشَاءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هَذَا ۖ إِنَّا لَأَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ﴾ (الانفال: 31) ”کہ چاہیں تو ہم بھی ایسی باتیں کر سکتے اور کہہ سکتے ہیں، یہ تو وہی پرانی باتیں ہیں جو پہلے والے لوگ کہتے آئے ہیں۔“

اور کبھی مشرکین نے یوں کہا: ﴿إِنَّ هَذَا إِلَّا رَفْكَ إِفْتَرَاهُ وَآعَانَهُ عَلَيْهِ قَوْمٌ آخَرُونَ﴾ (الفرقان: 4) ”یہ قرآن تو محض ایک من گھڑت چیز ہے جسے محمد (ﷺ) نے گھڑ لیا ہے اور کچھ دوسرے لوگوں نے بھی اس کام میں اس کی مدد کی ہے۔“

اور ان ظالموں نے کبھی یوں کہا: ﴿وَقَالُوا أَأَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ۚ اكْتَتَبَهَا فَهِيَ تُمْلَىٰ عَلَيْهِ بُكْرَةً وَأَصِيلًا ۚ﴾ (الفرقان: 5) ”اور یہ کافر کہتے ہیں کہ یہ تو پرانے لوگوں کی لکھی ہوئی

باتیں ہیں جنہیں یہ محمد (ﷺ) نقل کراتا ہے اور یہ اسے صبح شام سنائی جاتی ہیں۔“  
 اور ان ظالموں نے کبھی یوں کہا: ﴿إِنَّمَا يُعَلِّمُهُ بَشَرٌ ط﴾ (النحل: 103) ”کوئی آدمی اس کو یہ باتیں سکھا جاتا ہے۔“ (نعوذ باللہ، وہ ظالم اس قسم کی بے پرکی باتیں کر کے نبی ﷺ کو ایذا پہنچاتے اور آپ کا دل دکھاتے تھے۔) اور وہ کہا کرتے تھے کہ یہ بھی اللہ کی مخلوق لوگوں کے کلام میں سے ہی بنایا گیا کلام ہے اور مخلوق ہے۔

(7)..... چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی اور قرآن کا دفاع کرتے ہوئے کفار کی بات کی تکذیب اور ان کے دعویٰ کے بطلان کو واضح کرتے ہوئے فرمایا: ﴿فَقَدْ جَاءُوا ظُلُمًا وَزُورًا﴾ (الفرقان: 4) ”کہ ان (مشرک) لوگوں نے ایسا کہہ کر بہت بڑے ظلم اور جھوٹ کا ارتکاب کیا ہے۔“

نیز فرمایا: ﴿قُلْ أَنْزَلَهُ الَّذِي يَعْلَمُ السِّرَّ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ط إِنَّهُ كَانَ غَفُورًا رَحِيمًا﴾ (الفرقان: 6) ”اے نبی! آپ ان (کفار) سے کہہ دیں کہ اس قرآن کو اس اللہ نے نازل کیا ہے جو زمین اور آسمانوں کے بھیدوں کو بھی بخوبی جانتا ہے، حقیقت یہ ہے کہ وہ بڑا ہی غفور و رحیم ہے۔“

نیز اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ﴿قُلْ نَزَّلَهُ رُوحُ الْقُدُسِ مِنْ رَبِّكَ بِالْحَقِّ لِيُثَبِّتَ الَّذِينَ آمَنُوا وَهُدًى وَبُشْرَى لِلْمُسْلِمِينَ﴾ (النحل: 102) ”اے نبی! آپ ان لوگوں سے صاف صاف کہہ دیں کہ اس قرآن کو روح القدس یعنی جبریل نے میرے رب کی طرف سے بتدریج نازل کیا ہے تاکہ ایمان لانے والوں کو ایمان پر پختہ اور ثابت قدم کر دے اور ان کو سیدھی راہ کی طرف رہنمائی کرے اور انہیں فلاح و سعادت کی خوش خبری دے۔“

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿لِسَانُ الَّذِي يُلْحِدُونَ إِلَيْهِ أَعْجَبِي وَهَذَا لِسَانٌ عَرَبِيٌّ مُبِينٌ﴾ (النحل: 103) ”یہ کفار جس آدمی کے متعلق کہتے ہیں کہ وہ محمد (ﷺ) کو یہ باتیں سکھا جاتا ہے، اس کی زبان تو عجمی (غیر عربی) ہے اور یہ (قرآن) اعلیٰ پائے کی عربی زبان (میں) ہے۔“

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿قُلْ لِّدِينِ اجْتَمَعَتْ الْإِنْسُ وَالْجِنُّ عَلَى أَنْ يَأْتُوا بِمِثْلِ هَذَا الْقُرْآنِ لَا يَأْتُونَ بِمِثْلِهِ وَكَوْكَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيرًا﴾ (بنی اسرائیل: 88) ”کہ اگر تمام انسان اور جنات مل کر اس قرآن جیسی کوئی چیز لانے کی کوشش کریں تو وہ اس کے مد مقابل کوئی بھی چیز نہیں لا سکتے، خواہ وہ سب ایک دوسرے کے مددگار ہی کیوں نہ ہوں۔“

(8)..... پھر اللہ تعالیٰ نے کفار و مشرکین کو دعوت دی کہ اگر وہ قرآن کے بارے میں اپنے دعوے میں سچے ہیں کہ یہ محمد ﷺ کا یا کسی دوسرے انسان کا بنایا ہوا کلام ہے تو وہ اپنے خطیبوں اور شاعروں کو ساتھ ملا کر قرآن جیسا کچھ کلام تو بنا کر دکھائیں۔ چنانچہ فرمایا: ﴿فَأْتُوا بِعَشْرِ سُورٍ مِّثْلِهِ مُفْتَرِيَاتٍ وَّادْعُوا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُونِ اللَّهِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ﴾ (ہود: 13) ”(اے کفار و مشرکین! تم کہتے ہو کہ یہ قرآن اس محمد ﷺ نے خود گھڑا ہے) تو پھر تم سب مل کر اس جیسی دس ہی سورتیں بنا کر لاؤ اور اللہ کے سوا تمہارے جس قدر معبود ہیں، ان کو بھی مدد کے لیے بلا سکتے ہو تو بلا لو۔“

بلکہ بعد میں اللہ تعالیٰ نے کفار و مشرکین کو چیلنج کرتے ہوئے فرمایا کہ تم قرآن جیسی دس نہیں تو ایک ہی سورت بنا کر دکھاؤ۔ چنانچہ فرمایا: ﴿وَإِنْ كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلَىٰ عَبْدِنَا فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّثْلِهِ ۚ وَادْعُوا شُهَدَاءَكُمْ مِّنْ دُونِ اللَّهِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ﴾ (البقرة: 23-24) ”اور اگر تمہیں اس امر میں شک ہے کہ یہ کتاب جو ہم نے اپنے بندے پر نازل کی ہے (کہ یہ ہماری ہے یا نہیں) تو پھر تم سب مل کر اس جیسی کوئی ایک ہی سورت بنا لاؤ اور اس کے لیے اپنے سارے ہم نواؤں کو بھی بلا لو ایک اللہ کو چھوڑ کر باقی جس جس کی چاہو مدد لے لو۔ اگر تم سچے ہو تو یہ کام کر کے دکھاؤ۔ لیکن اگر تم نے ایسا نہ کیا اور یقیناً تم ایسا کر بھی نہ سکو گے تو ڈر جاؤ (جہنم کی) اس آگ سے جس کا ایندھن ہوں گے انسان اور پتھر، جو تیار کی گئی ہے کافروں کے لیے۔“

(9)..... اللہ تعالیٰ کے اس چیلنج کے بعد کوئی جن، انسان، کوئی عربی، عجمی، بتوں کے

پجاری اور کوئی یہودی یا عیسائی، کوئی بھی شخص قرآن کی ایک سورت یا کسی سورت کے کچھ حصے کے مقابلے میں کچھ بھی نہ لاسکا۔ اگر انھیں پتہ ہوتا کہ وہ سب مل کر ایسا کر سکتے ہیں تو وہ اپنے مددگاروں کو ضرور بلاتے اور اس مقصد کے لیے اپنے خطیبوں، شاعروں، عالموں، مذہبی رہنماؤں، کاہنوں، نجومیوں اور جادوگروں کو بھی بلا لیتے اور اس کے لیے انھیں کتنا ہی مال اور دیگر اچھی اچھی چیزیں قربان کرنا پڑتیں، وہ ضرور ایسا کرتے اور قرآن کے بالمقابل کوئی ایک ہی سورت لانے کی پوری کوشش کرتے تاکہ انھوں نے محمد ﷺ کی تکذیب کرتے ہوئے جو جھوٹی بات کہی ہے، اسے سچ ثابت کر سکیں۔

مگر حقیقت تو یہ ہے کہ مخلوق میں کسی کی کیا مجال ہے کہ وہ خالق کے کلام جیسا کلام پیش کر سکے، جب کہ اللہ تعالیٰ نے تحدی اور چیلنج کے طور پر پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ ”لَنْ تَفْعَلُوا“ کہ تم قیامت تک یہ کام کر ہی نہیں سکو گے۔ پس جس طرح مخلوق میں سے کوئی بھی چیز اللہ کے مشابہ اور مثل نہیں اسی طرح کوئی کلام اس کے کلام جیسا ہو ہی نہیں سکتا۔

(10)..... اللہ کے رسول ﷺ اللہ تعالیٰ کے پیغام کو دنیا تک پہنچانے کے لیے اور لوگوں کو اللہ کی طرف اس کتاب اور اس کے کلام کی طرف ساری زندگی اعلانیہ اور پوشیدہ ہر طرح سے دعوت دیتے رہے اور اس راہ میں آپ کو مخالفین کی طرف سے جس قدر بھی مشقت، ایذا کا سامنا کرنا پڑا آپ بڑے صبر و تحمل سے اسے برداشت کرتے رہے۔ تا آنکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو کامیابی اور غلبے سے سرفراز فرما دیا۔ اور اللہ نے آپ کی بھرپور مدد کی اور آپ نے اس دور کے عرب و عجم کے مخالفین کا ڈٹ کر مقابلہ کیا تا آنکہ وہ ذلیل و نامراد ہوئے اور ان میں سے بہت سے لوگ طوعاً و کرہاً (خوشی اور ناخوشی سے) دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے تو وہ آپ کی زندگی میں اور آپ کی وفات کے بعد بھی دین پر قائم رہے۔ اور کسی بھی کافر یا منافق کو اتنی ہمت نہ ہوئی کہ وہ اپنے دل میں چھپائے ہوئے کفر و نفاق کا برملا اظہار کرتا۔ بلکہ وہ ہمیشہ اور ہر حال میں اسلام کا لبادہ اوڑھ کر مسلمانوں کے ساتھ مل کر ان میں زندگی گزارتے اور ان جیسے اعمال بجالاتے رہے۔



مُہر ارشد کمال

## امیر المؤمنین سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی شہادت

(آخری قسط)

امام ابو بکر الصدیق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”اگر کوئی شخص یہ کہے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے صحابہ کو مدد سے کیوں روکا جب کہ وہ مظلوم تھے اور وہ یہ جانتے تھے کہ ان (عثمان) کی طرف سے ان (صحابہ) کا لڑنا برائی سے روکنے کی مانند ہے اور حق کو قائم کرنے کی مانند ہے۔ تو اس شخص سے کہا جائے گا کہ یہ تیری غفلت ہے، اگر وہ کہے کہ وہ کیسے؟ تو اسے کہا جائے گا کہ عثمان کا ان حضرات کو اپنی مدد سے روکنا کئی پہلوؤں کا احتمال رکھتا ہے جو سب کے سب لائق تعریف ہیں:

پہلی بات یہ ہے کہ عثمان یہ جانتے تھے کہ انھیں مظلوم ہونے کے طور پر قتل کر دیا جائے گا اس میں کوئی شک بھی نہیں تھا کیوں کہ نبی ﷺ نے انھیں اس بات سے آگاہ فرما دیا تھا کہ بے شک تمہیں مظلوماً قتل کیا جائے گا سو تم صبر کرنا۔ یہ سن کر عثمان نے کہا تھا کہ میں صبر کروں گا اور جب ان لوگوں نے عثمان کا محاصرہ کر لیا اور عثمان رضی اللہ عنہ کو پتا چل گیا کہ وہ قتل ہو جائیں گے اور انھیں یہ بھی پتا چل گیا کہ نبی ﷺ نے ان سے جو بات ارشاد فرمائی تھی وہ برحق ہے اور جیسا نبی ﷺ نے فرمایا تھا ایسا بہر صورت ہونا ہے تو انھیں یہ بات پتا چل گئی کہ نبی ﷺ نے ان سے ان کی ذات کے حوالے سے صبر کا وعدہ لیا تھا تو عثمان نے اپنے کیے ہوئے وعدے کے مطابق صبر کیا اگر وہ اپنی ذات کے لیے دوسرے لوگوں سے مدد حاصل کرتے تو ایسی صورت میں وہ صبر کرنے والے شمار نہ ہوتے تو چونکہ انھوں نے اپنی ذات کے حوالے سے صبر کا وعدہ کیا تھا لہذا ایک وجہ تو یہ تھی۔

دوسری وجہ یہ تھی کہ عثمان یہ بات جانتے تھے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تعداد تھوڑی ہے اور جو لوگ عثمان کو شہید کرنا چاہتے ہیں ان کی تعداد زیادہ ہے اگر عثمان ان حضرات کو لڑنے کی



اجازت دے دیتے تو اس بات کا اندیشہ موجود تھا کہ ان کی وجہ سے نبی ﷺ کے بہت سے صحابہ کی جانیں ضائع ہو جائیں لہذا آپ نے اپنی جان قربان کر کے ان حضرات کو بچالیا کیونکہ آپ نگران تھے اور نگران پر یہ واجب ہے کہ جہاں تک ممکن ہو اپنی رعایا کا بچاؤ کرے پھر اس کے بعد یہ پہلو بھی ہے کہ عثمان رضی اللہ عنہ کو یہ تو پتا تھا کہ وہ شہید ہو ہی جائیں گے تو انھوں نے اپنی ذات کے مقابلے میں ان حضرات کا بچاؤ کیا۔ یہ وجہ بھی ہے۔

اس کی ایک اور وجہ یہ ہے کہ جب عثمان کو یہ پتا چل گیا کہ یہ ایک آزمائش ہے اور جب آزمائش کے دوران تلوار کو سونت لیا جائے تو پھر اس بات کا امکان موجود رہتا ہے کہ ایسا شخص بھی مارا جائے گا جو قتل کا مستحق نہیں تھا تو انھوں نے اپنے ساتھیوں کے لیے یہ چیز اختیار نہیں کی کہ وہ دورانِ فتنہ تلوار سونت لیں۔ یہ بھی ان کی طرف سے اپنے ساتھیوں کے بچاؤ کی کوشش تھی کیوں کہ فتنہ عمومی ہوتا ہے اس میں اموال ضائع ہو جاتے ہیں، حرمتیں پامال ہوتی ہیں تو عثمان رضی اللہ عنہ نے ان تمام حضرات کو ان چیزوں سے بچایا۔

اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اس بات کا بھی احتمال ہے کہ عثمان نے مدد حاصل کرنے کے حوالے سے اس لیے صبر سے کام لیا تا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان لوگوں کے خلاف گواہ بن جائیں جنھوں نے آپ رضی اللہ عنہ پر ظلم کیا تھا اور آپ کے حکم کی مخالفت کی تھی اور ناحق آپ کا خون بہایا تھا کیوں کہ اہل ایمان زمین میں اللہ تعالیٰ کے گواہ ہیں۔ نیز اس کے ساتھ ساتھ آپ یہ بھی نہیں چاہتے تھے کہ آپ کی وجہ سے کسی مسلمان کا خون بہہ جائے اور آپ نبی ﷺ کے بعد ایسے فرد بن جائیں جن کی وجہ سے کسی مسلمان کا خون بہایا گیا ہو۔ اس لیے آپ نے یہ طرز عمل اختیار کیا جب کہ آپ توفیق یافتہ تھے معذور تھے ہدایت یافتہ تھے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم معذرت کے مقام پر تھے اور آپ کو شہید کرنے والے لوگ بد بخت تھے۔ (الشریعة، ص: ۵۳۵، ۵۳۶)

☆ باغیوں کے پیچھے نماز پڑھنے کی اجازت:

عبید اللہ بن عدی سے مروی ہے کہ وہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس اس وقت حاضر ہوئے جب آپ محصور تھے اور آپ سے عرض کیا گیا کہ آپ تو تمام لوگوں کے امام ہیں اور آپ ایک ایسی

آزمائش سے دو چار ہیں جسے ہم دیکھ رہے ہیں۔ صورت حال یہ ہے کہ ہمیں امام فتنہ (باغیوں کا امام) نماز پڑھاتا ہے جس سے ہم تنگ دل ہوتے ہیں تو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: نماز لوگوں کے اعمال میں سے اچھا عمل ہے جب لوگ عمدہ کام کریں تو تم بھی ان کے ساتھ اچھائی میں شامل ہو جاؤ اور جب وہ برا کام کریں تو تم ان کی برائی سے الگ رہو۔ (صحیح البخاری: ۶۹۵)

☆ ام المؤمنین سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کی آمد:

سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کے آزاد کردہ غلام کنانہ کہتے ہیں کہ میں سیدہ صفیہ کے آگے آگے چل رہا تھا۔ وہ باغیوں کو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے ہٹانا چاہتی تھیں۔ اشتر نخعی نے انھیں دیکھا تو ان کے خنجر کے چہرے پر ضرب لگائی، یہاں تک کہ وہ ایک طرف جھک گئیں تو انھوں نے فرمایا: مجھے واپس لے جاؤ، کہیں یہ کتا مجھے رسوا نہ کر دے۔ پھر انھوں نے اپنے اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے گھر کے درمیان ایک لکڑی رکھ دی جس کے ذریعے سے وہ ان تک کھانا اور پانی بھجوا کر کرتی تھیں۔ (تاریخ المدینۃ المنورۃ: ۲۳۸۳ و سندہ حسن .)

کنانہ ہی سے مروی ہے، کہتے ہیں کہ میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے موقع پر موجود تھا۔ اس وقت میری عمر چودہ سال تھی۔ سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا نے ہمیں حکم دیا کہ ہم ان کے لیے خنجر پر ہودج تیار کریں تو ہم نے ان کے لیے ہودج تیار کیا پھر ہم انھیں اپنے حصار میں لیے قصر خلافت کے دروازے پر پہنچے تو وہاں اشتر نخعی اور اس کے ساتھ کچھ لوگ موجود تھے۔ اشتر نے سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کو واپس اپنے گھر لوٹنے کو کہا لیکن انھوں نے انکار کر دیا اس پر اشتر نے ان کے خنجر کو نیزہ مارا جس سے وہ اچھلا اور ہودج ایک طرف جھک گیا یہاں تک کہ وہ گرنے کے قریب ہو گیا۔ جب سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا نے یہ صورت حال دیکھی تو فرمانے لگیں: مجھے واپس لے چلو، مجھے واپس لے چلو۔ اسی دوران میں چار قریشیوں کو قصر خلافت سے اٹھا کر باہر لایا گیا، انھیں زد و کوب کیا گیا تھا، وہ لوگ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا دفاع کر رہے تھے۔ اور وہ سیدنا حسن بن علی، سیدنا عبداللہ بن زبیر، سیدنا ابو حاطب رضی اللہ عنہ اور مروان بن حکم تھے۔

(مسند اسحاق بن راہویہ: ۲۰۵۴ و سندہ حسن)

### شہادت سے متعلق خواب:

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ صبح کے وقت لوگوں کے سامنے یہ بات بیان فرما رہے تھے کہ آج رات میں نے خواب میں رسول اللہ ﷺ کو دیکھا ہے، آپ فرما رہے تھے: ”عثمان! ہمارے پاس افطاری کرو۔“ عثمان نے روزہ رکھا ہوا تھا اور اسی دن وہ شہید کر دیے گئے۔“ (المصنف لابن أبي شيبة: ۳۱۱۵۱ وسندہ صحیح)

### ☆ شہادت:

ثقة تابعي عبد الله بن عامر بن ربيعة کہتے ہیں کہ میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھا جس وقت وہ گھر میں محصور تھے تو انھوں نے فرمایا: ابن عمر! اٹھو اور قصرِ خلافت کا پہرہ دو۔ چنانچہ ابن عمر رضی اللہ عنہما بنو عدی کی ایک جماعت لے کر اٹھے اور ان کے ساتھ ابن سراقہ، ابن مطیع اور ابن نعیم بھی کھڑے ہوئے۔ ابن عمر قصرِ خلافت (کے دروازے پر) آئے (اسے) کھولا اور ان (لوگوں) کو نصیحت کی لیکن انھوں نے سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کو گریبان سے پکڑ لیا پھر اندر جا کر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا اور ان (ابن عمر رضی اللہ عنہما) کو خبر ہی نہ ہونے دی۔ عبد اللہ کہتے ہیں: پھر میں اندر آیا تو دیکھا کہ ایک آدمی سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی چارپائی کے ساتھ ٹیک لگائے ہوئے بیٹھا تھا اس کی گردن میں تلوار تھی اور اس کے پیچھے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی بیوی بنت شیبہ بن ربيعة تھی۔ میں نے اس کو سنا، وہ کہہ رہی تھی: اے ابن فلاں! یعنی ابن ابی بکر! آج ہمارا دفاع کرو۔ تو اس نے کہا: واللہ! تم تو ہمارے گھر والے ہو۔ (تمہیں بچانا تو ہمارا فرض ہے۔) (تاریخ المدينة المنورة: ۲۳۵۵ وسندہ صحیح)

ابو سعید مولیٰ ابی اسید کہتے ہیں: سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو خواب میں نبی ﷺ کی زیارت ہوئی، آپ فرما رہے تھے: ”عثمان! آج روزہ ہمارے ہاں افطار کرنا۔“ پھر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے دروازہ کھولا اور قرآن سامنے رکھ لیا۔ ایک شخص اندر آیا تو آپ نے فرمایا: میرے اور تیرے درمیان اللہ کی کتاب ہے تو وہ آپ کو چھوڑ کر باہر نکل گیا پھر ایک اور آدمی اندر داخل ہوا جسے ”الموت الاسود“ (سیاہ موت) کہا جاتا تھا اس نے آپ کا گلا گھونٹا اور پھر (دوبارہ) آپ



کا گلا گھونٹا پھر وہ باہر نکلا اور کہنے لگا: اللہ کی قسم! میں نے ان کے حلق سے زیادہ نرم کوئی چیز نہیں دیکھی، اللہ کی قسم! میں نے تو اس قدر (زور سے) ان کا گلا گھونٹا، یہاں تک کہ میں نے ان کے سانس کو (یوں اکھڑتا ہوا) دیکھا جیسے کسی سانپ کا سانس اس کے جسم میں ہوتا ہے (کہ جس طرح وہ سانپ تڑپتا ہے ایسے ہی عثمان تڑپے تھے) پھر ایک اور آدمی اندر آیا تو آپ نے فرمایا: میرے اور تیرے درمیان اللہ کی کتاب ہے۔ اس وقت قرآن مجید آپ کے سامنے تھا اس نے آپ پر تلوار سے وار کیا، آپ نے اپنے ہاتھ سے وار کو روکنا چاہا، جس سے آپ کا ہاتھ کٹ گیا۔ مجھے یہ معلوم نہیں کہ ہاتھ کٹ کر جسم سے الگ ہو گیا تھا یا نہیں۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: واللہ! یہ وہ پہلا ہاتھ ہے جس نے سورہ حجرات تا الناس کی کتابت کی تھی۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی بیوی نائلہ بنت فرافصہ نے اپنا زیور اتار کر اپنی گود میں رکھ لیا تھا اور یہ آپ رضی اللہ عنہ کی شہادت سے پہلے کی بات ہے پھر جب آپ کو شہید کر دیا گیا تو وہ آپ پر جھک گئیں اس پر ان (باغیوں) میں سے کسی نے کہا: اللہ اسے ہلاک کرے اس کے کوہلے کتنے بڑے بڑے ہیں۔ یہ سن کر وہ جان گئیں کہ اللہ کے یہ دشمن صرف حصول دنیا کا ارادہ لے کر آئے ہیں۔ (المصنف لابن أبي شيبة: ۳۸۸۴۵۔ فضائل الصحابة لاحمد: ۷۶۵ وسنده صحيح)

عبداللہ بن شقیق فرماتے ہیں: سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے خون کا پہلا قطرہ قرآن مجید کی اس آیت پر گرا تھا: ﴿فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللَّهُ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ﴾ (البقرہ: ۱۳۷) ”پس عنقریب اللہ تجھے ان سے کافی ہو جائے گا اور وہی سب کچھ سننے والا جاننے والا ہے۔“

(تاریخ المدينة المنورة: ۲۳۸۰ وسنده صحيح الى عبد الله بن شقيق)

ثقفہ و متقن محدث معاذ بن معاذ کہتے ہیں: مصحف عثمان میں ﴿فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللَّهُ﴾ پر میں نے بھی خون کے نشانات دیکھے تھے۔ (تاریخ دمشق: ۳۹/۴۱۵ وسنده حسن)

امام حسن بصری فرماتے ہیں: میں نے قاتلین عثمان کو دیکھا کہ انھوں نے لوگوں کو اس قدر کنکریاں ماریں کہ مجھے آسمان تک نظر نہیں آ رہا تھا۔ اسی اثناء میں امہات المؤمنین میں سے کسی کے حجرے سے قرآن بلند کیا گیا اور کہا گیا: اسے ہر وہ شخص جانتا ہے جو اس امر سے



آگاہ ہے کہ محمد ﷺ ہر اس شخص سے لاتعلق ہیں جو اپنے دین میں تفریق ڈالے اور گروہ بنا لے۔ (تاریخ المدینۃ المنورۃ: ۱۹۳۳ و سندہ صحیح)

اُم المؤمنین سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کے آزاد کردہ غلام کنانہ کہتے ہیں: میں نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتل کو دیکھا وہ سیاہ رنگ کا مصری تھا وہ قصر خلافت میں اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے یا پھیلائے ہوئے اعلان کر رہا تھا کہ میں اس بے وقوف بوڑھے کا قاتل ہوں۔ (مسند علی بن الجعد: ۲۶۶۴ و سندہ حسن)

محمد بن طلحہ بن مصرف کہتے ہیں کہ میں نے کنانہ سے پوچھا: کیا سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا خون کرنے میں محمد بن ابی بکر کا بھی کوئی کردار ہے؟ اس نے کہا: معاذ اللہ! وہ اندر گئے تھے لیکن سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے ان سے کچھ بات چیت کی تو وہ باہر آ گئے ان کا سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت سے کوئی تعلق نہیں۔ میں (محمد بن طلحہ) نے پوچھا: پھر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو کس نے شہید کیا تھا؟ اس نے کہا: جبکہ بن اسہم نے جس کا تعلق قبیلہ مضر سے تھا اور اس نے اس بات کا تین بار اعتراف کرتے ہوئے کہا تھا کہ اس بے وقوف بوڑھے کا قاتل میں ہوں۔ میں (محمد بن طلحہ) نے کہا: اس وقت عثمان کہاں تھے؟ اس نے کہا: قصر خلافت میں۔ (مسند اسحاق بن راہویہ: ۲۰۵۴ و سندہ حسن)

امام نافع کہتے ہیں کہ اس دن (سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے دفاع کے لیے) سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما نے دو مرتبہ زرہ پہنی تھی۔ راوی سلیم بن اخضر کہتے ہیں: اس دن سے مراد سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے گھر کا گھیراؤ اور ان کی شہادت کا دن ہے۔

(تاریخ المدینۃ المنورۃ: ۲۲۸۰ و سندہ صحیح)

خالد بن عرعہ کہتے ہیں: شہادت عثمان کے دن لوگ بہت دہشت زدہ ہو گئے اور تلوار کا سونٹا جانا ہم پر گراں ثابت ہوا، میں حالات سے بد دل ہو کر گھر بیٹھ گیا پھر مجھے کسی کام سے بازار جانا پڑا تو میں گھر سے نکلا، دیکھا کہ قصر خلافت کے سائے میں تقریباً چالیس لوگ بیٹھے ہیں اور اس کے دروازے پر ایک زنجیر پڑی ہے۔ میں نے اندر جانا چاہا تو پہرے داروں نے



مجھے روک دیا مگر لوگوں نے کہا کہ اسے جانے دو، میں اندر داخل ہوا تو وہاں کئی سرکردہ لوگ موجود تھے۔ اسی دروان میں ایک خوب رو آدمی حلہ زیب تن کیے ہوئے آیا۔ اس نے قمیص نہیں پہنی ہوئی تھی اور سر پر پگڑی بھی نہیں تھی وہ بیٹھ گیا۔ پتا چلا کہ وہ سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ہیں۔ (مسندرك حاکم: ۱/ ۴۵۷ اسنادہ حسن)

محمد بن الحنفیہ کہتے ہیں: میں (اپنے والد) علی رضی اللہ عنہ کے پاس تھا کہ ایک شخص نے انھیں آکر کہا: بے شک امیر المؤمنین شہید کر دیے گئے ہیں پھر ایک دوسرے شخص نے آکر کہا: بے شک امیر المؤمنین ابھی ابھی شہید کر دیے گئے ہیں۔ یہ سن کر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے، میں بھی کھڑا ہوا۔ میں نے کسی اندیشے کے پیش نظر ان کو پکڑ کر روکا تو انھوں نے فرمایا: مجھے چھوڑ دو۔ تیری ماں نہ رہے۔ پھر وہ بیت خلافت آئے اس وقت وہ (عثمان رضی اللہ عنہ) شہید کیے جا چکے تھے۔ یہ حالت دیکھ کر سیدنا علی واپس اپنے گھر آئے اور دروازہ بند کر لیا۔ (تاریخ المدینة المنورة: ۲۱۵۱ وسندہ صحیح)

امام حسن بصری کہتے ہیں: میں سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے حلقے میں بیٹھا ہوا تھا کہ اچانک سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے گھر سے چیخ سنائی دی۔ میں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو دیکھا، انھوں نے آسمان کی طرف اپنے ہاتھ بلند کیے اور فرمایا: اے اللہ! میں تیرے سامنے خون عثمان سے برأت کا اعلان کرتا ہوں۔ (تاریخ المدینة المنورة: ۲۱۶۷ وسندہ حسن)

عاصم کے والد کلیب بن شہاب کہتے ہیں کہ میں بصرہ آیا تو دیکھا کہ لوگ لشکر تیار کر رہے ہیں۔ میں نے پوچھا: انھیں کیا ہوا ہے؟ تو لوگوں نے کہا کہ ان لوگوں کو یہ اطلاع ملی ہے کہ کچھ لوگ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف گئے ہیں۔ (تاکہ ان پر حملہ کریں) اس لیے یہ لوگ لشکر تیار کر رہے ہیں تاکہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس جا کر ان کی مدد کریں۔ اتنے میں ابن عامر کھڑا ہوا، اس نے کہا: بے شک امیر المؤمنین نے صلح کر لی ہے اور (ان پر حملے کے ارادے سے جانے والے) لوگ واپس لوٹ چکے ہیں۔ یہ سن کر وہ سب اپنے گھروں کو لوٹ گئے اس کے بعد سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت نے ان کو سخت رنج میں مبتلا کر دیا۔ کلیب کہتے



ہیں: میں نے اتنی کثیر تعداد میں بوڑھے لوگوں کو اتنا روتے ہوئے پہلے کبھی نہیں دیکھا۔ ان کی ڈاڑھیاں آنسوؤں سے تر ہو چکی تھیں۔ (المصنف لابن أبي شيبة: ۳۸۹۱۲ وسندہ حسن)

☆ صحابہ کا کردار:

سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو باغیوں نے شہید کر کے ملت اسلامیہ کا اتحاد ہمیشہ کے لیے پارہ پارہ کر دیا۔ آپ پر اعتراضات محض بہانہ تھے۔ اصل مقصد کچھ اور ہی تھا۔ اس پورے سانحے میں صحابہ کرام کا کردار کیا تھا؟

① صحابہ کرام رضی اللہ عنہم امیر المؤمنین سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ پر اپنی جانیں نچھار کرنے کے لیے تیار تھے لیکن اس کے لیے امیر المؤمنین کی اجازت بھی ضروری تھی۔ وہ آپ سے بار بار اجازت مانگتے رہے لیکن آپ رضی اللہ عنہ نے انھیں نہ صرف لڑائی کی اجازت نہ دی بلکہ سختی سے منع فرما دیا تھا جس کی وجوہات گذشتہ سطور میں بیان ہو چکی ہیں۔

② صحابہ کرام باغیوں کو بھی سمجھاتے رہے کہ امیر المؤمنین کو شہید نہ کرو۔ ملت اسلامیہ کا اتحاد ختم ہو جائے گا لیکن باغیوں پر ان کی نصیحتوں کا کوئی اثر نہ ہوا۔

③ صحابہ کرام اپنی جانیں ہتھیلیوں پر رکھے امیر المؤمنین کا پہرہ بھی دیتے رہے۔

④ صحابہ کرام میں سے بعض امیر المؤمنین کا دفاع کرتے ہوئے زخمی بھی ہوئے۔ چنانچہ:

✽ سیدنا علی رضی اللہ عنہ پر پتھروں کی بارش کی گئی جس سے ان کے دونوں کندھے بے حس ہو کر رہ گئے۔ (تاریخ دمشق: ۳۹/۳۶۸-۳۶۹ وسندہ حسن)

✽ سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہما شدید زخمی ہوئے۔ انھیں زخمی حالت میں امیر المؤمنین کے گھر سے لایا گیا۔ (تاریخ المدینة: ۲۳۰۵ وسندہ حسن)

✽ سیدنا حسین بن علی رضی اللہ عنہما بھی شدید زخمی ہوئے تھے۔ (ایضاً: ۱۹۷۴ واسنادہ حسن)

✽ سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ بھی زخمی ہوئے تھے۔ (مسند اسحاق بن راہویہ:

۲۰۵۴ وسندہ حسن)

✽ سیدنا ابو حاطب رضی اللہ عنہ بھی زخمی ہوئے تھے۔ (ایضاً)





❖ ام المؤمنین سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کی گستاخی کی گئی۔ (ایضاً)

⑤ صحابہ کرام اس سانچے پر بے حد پریشان ہوئے وہ اس پر افسوس کیا کرتے اور قاتلین عثمان پر لعنت کیا کرتے تھے:

❖ محمد بن الحنفیہ کہتے ہیں کہ جب سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو یہ اطلاع ملی کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا مقام مرہد میں قاتلین عثمان پر لعنت کر رہی ہیں تو انھوں نے بھی اپنے ہاتھ اپنے چہرے تک بلند کیے اور دو یا تین بار فرمایا: میں بھی قاتلین عثمان پر لعنت کرتا ہوں، اللہ تعالیٰ ان (قاتلین عثمان) پر میدانوں اور پہاڑوں میں (ہر جگہ) لعنت کرے۔ (فضائل الصحابة لأحمد: ۷۳۳ وإسناده صحيح)

❖ سیدنا سعید بن زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: واللہ! میں نے اپنے آپ کو اس حالت میں دیکھا کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اسلام لانے سے قبل مجھے اسلام لانے کی پاداش میں باندھ رکھا تھا لیکن تم لوگوں نے جو سلوک سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے کیا ہے اس کی وجہ سے اگر احد پہاڑ بھی اپنی جگہ سے سرک جائے تو یہ اس کے لائق ہے۔ (صحیح البخاری: ۳۸۶۲)

❖ ربیع بن حراش کہتے ہیں: جس رات سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ فوت ہوئے، اس رات انھوں نے پوچھا: یہ کون سی رات ہے؟ پھر سیدھے ہو کر بیٹھ گئے اور فرمایا: اے اللہ! میں عثمان رضی اللہ عنہ کے خون سے تیرے حضور برأت کا اظہار کرتا ہوں۔ میں نہ اس موقع پر حاضر ہوا، نہ میں نے ان کو قتل کیا اور نہ ہی کسی کو اس کا اشارہ کیا۔ (تاریخ المدينة المنورة: ۲۲۱۴ وإسناده حسن)

❖ ابوالاشعث سے مروی ہے کہ سیدنا ثمامہ القرشی رضی اللہ عنہ صنعا کے گورنر تھے۔ اور انھیں رسول اللہ ﷺ کی صحبت حاصل تھی۔ جب ان کے پاس شہادت عثمان کی خبر آئی تو وہ روئے اور بڑی دیر تک روتے رہے اور فرمایا: آج محمد ﷺ کی امت سے خلافت چھن گئی اور (اب) بادشاہت اور جبری سلطنت ہوگی جس نے کسی چیز پر قابو پایا وہی اس کو کھائے گا۔ (التاریخ الأوسط: ۳۶۰۔ الطبقات لابن سعد: ۷۶/۳ وسنده صحيح)



✽ زید بن وہب کہتے ہیں: ہمارے پاس سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا مکتوب گرامی آیا جسے لوگوں کے سامنے پڑھا گیا: السلام علیکم! اما بعد: ذی مروہ کا لشکر ہمارے پاس آیا تھا ہم نے جن باتوں پر ان سے مصالحت کی ہے ان میں سے یہ بھی ہے کہ وہ ہر حق والے کا حق ادا کریں گے۔ لہذا جس کا ہماری طرف کوئی حق ہے وہ اس لشکر کی طرف چلا جائے اگر اس نے تاخیر یا سستی کی تو اسے چاہیے کہ صدقہ کرتے ہوئے معاف کر دے کیوں کہ اللہ صدقہ کرنے والوں کو جزا دیتا ہے۔ یہ سن کر لوگوں نے کہا: یا اللہ! ہم نے صدقہ کیا۔ ہم چالیس راتیں ٹھہرے پھر ہمارے پاس ان (عثمان رضی اللہ عنہ) کی شہادت کی خبر آگئی۔ لوگ اس خبر کو سن کر بے حد مغموم ہوئے۔ میں (زید) اپنے ایک دوست کی طرف گیا جس کے پاس میں آرام کیا کرتا تھا، میں نے (اسے) کہا: لوگوں نے وہ کام کیا جو آپ دیکھ رہے ہیں ہم میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کی ایک جماعت موجود ہے۔ آؤ ہم ان کے پاس چلیں۔ چنانچہ ہم سیدنا ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کے پاس آئے۔ وہ اس وقت امیر کوفہ تھے انھوں نے (ہمیں) فتنے سے بچنے اور گھروں میں بیٹھے رہنے کا حکم دیا۔ ہم (وہاں سے) نکلے اور حدیفہ کے گھر آئے لیکن انھیں موجود نہ پایا ہم مسجد میں آئے تو انھیں ایک ستون کے ساتھ ٹیک لگائے ہوئے پایا۔ ان کے ساتھ ایک اور آدمی بھی تھا۔ میں نے کہا: میرے خیال میں اس آدمی کو (حدیفہ رضی اللہ عنہ سے) کوئی کام ہے سو ہم ان سے الگ جا کر بیٹھ گئے۔ اسی اثناء میں ایک اور آدمی آیا اور ان دونوں کے پاس جا کر بیٹھ گیا اب ہم بھی اٹھے اور ان کے پاس جا کر بیٹھ گئے۔ سیدنا حدیفہ رضی اللہ عنہ اپنے انگوٹھے کو اپنے دانتوں کے نیچے دبائے ہوئے تھے اور فرما رہے تھے: تمہارے پاس (فتنہ) آئے گا جو سیاہ پتھر پھینکے گا پھر اس سے متصل دوسرا فتنہ آئے گا جو گرم پتھر پھینکے گا پھر ایسی اندھیر نگری ہوگی کہ بندہ صبح کو ہدایت یافتہ اور شام کو گمراہ ہوگا۔ شام کو ہدایت یافتہ اور صبح کو گمراہ ہوگا۔ اس دوران میں عقل مند شخص حیران و پریشان ہوگا، اسے پتا نہیں چلے گا کہ وہ خود گمراہ ہے یا ہدایت یافتہ۔ یاد رکھو! اس اندھیر نگری میں اتار چڑھاؤ ہوتے



رہیں گے جو کوئی اس کے وقفوں میں مر سکتا ہو وہ مرجائے۔ یہ سن کر وہ آدمی جوان کے پاس بیٹھا ہوا تھا، کہنے لگا: اصحاب محمد! اللہ تمہیں بدترین جزا دے، اللہ کی قسم! تم لوگوں نے ہم پر معاملہ خلط ملط کر دیا ہے، ہمیں نہیں پتا چل رہا کہ ہم بیٹھے رہیں یا کھڑے ہو جائیں۔ آپ نے جرعہ کے دن (جس دن ایک فتنہ رونما ہوا تھا) لوگوں کو کیوں نہ روکا؟ سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے تو خود کو بھی اور ابن الخضر امہ کو بھی اس سے روکا تھا اگر میں اسے نہ کہتا تو وہ ضرور اس میں کھڑا ہونے والوں اور گفتگو کرنے والوں میں سے ہوتا۔ (تاریخ دمشق: ۳۹/۴۷۸-۴۷۹ وسندہ حسن)

✽ ابو خالد الوالی کہتے ہیں کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ابو خالد! انھوں نے (پہلے تو) ان (عثمان) سے تلافی مافات کے مطالبات کیے یہاں تک کہ انھیں دھلے ہوئے کپڑے کی مانند چھوڑ دیا پھر انھیں قتل کر ڈالا۔ (تاریخ المدينة المنورة: ۲۱۹۷، وسندہ حسن)

✽ طلق بن خشاف کہتے ہیں کہ میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آیا اور عرض کیا: امیر المؤمنین کو کس جرم میں شہید کیا گیا؟ انھوں نے فرمایا: انھیں مظلوم شہید کیا گیا ہے اللہ تعالیٰ ان کے قاتلین پر لعنت کرے۔ (التاریخ الأوسط للبخاري: ۳۸۴ وسندہ حسن)

⑥ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کوئی بھی شہادت عثمان میں شریک نہیں ہوا۔ تمام صحابہ خون عثمان سے بری ہیں۔

✽ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اگر میں آسمان سے گر کر ٹکڑے ٹکڑے ہو جاؤں تو یہ مجھے اس بات سے زیادہ پسند ہے کہ میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا خون کرنے میں شریک ہوتا۔ (المعجم الكبير للطبرانی: ۱۳۲- تاریخ المدينة المنورة: ۲۲۲۲، وإسناده صحيح)

✽ امام ابوبکر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اور اللہ کریم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل میں شریک ہونے سے محفوظ رکھا۔ (الشريعة، ص: ۵۳۸)

✽ مؤرخ و مفسر علامہ ابن کثیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اور یہ جو بعض لوگ بیان کرتے ہیں کہ بعض صحابہ نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو بے یار و مددگار چھوڑ دیا تھا اور آپ کے قتل کو پسند کیا



تھا یہ بات صحابہ میں سے کسی ایک کے بارے میں بھی درست نہیں کہ وہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل کو پسند کرتا تھا بلکہ سب نے اس کو ناپسند کیا اور اس سے نفرت کی اور اس فعل کے مرتکب کو برا بھلا کہا۔ (البداية والنهاية : ۷ / ۳۵۶)

بعض لوگ جن صحابہ کے متعلق یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ قتل عثمان میں شریک تھے ان کا دعویٰ بلا دلیل ہے۔ مثلاً:

✽ محمد بن ابی بکر: محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ بلوایوں کے ساتھ تھے اور انھوں نے سیدنا عثمان کی ڈاڑھی بھی پکڑی تھی لیکن جب سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا کہ بھتیجے! اگر تیرا والد اس فعل کو دیکھتا تو اسے قطعاً پسند نہ کرتا تب انھوں نے شرمندہ ہو کر چھوڑ دی۔ یہ روایت پایہ ثبوت کو نہیں پہنچتی۔ اولاً: مؤرخین نے بغیر سند کے یہ بات بیان کی ہے اور اگر اس کی کوئی سند ہے بھی تو وہ ضعف سے خالی نہیں۔ کوئی منقطع ہے۔ کسی میں کوئی ضعیف یا مجہول راوی ہے۔ کوئی ایک بھی صحیح یا حسن درجے کی ایسی روایت نہیں جس سے یہ ثابت ہو کہ محمد بن ابی بکر نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی ڈاڑھی پکڑی تھی۔

حیرت ہے کہ ان لوگوں کو ان ضعیف اور من گھڑت روایتوں میں محمد بن ابی بکر کا سیدنا عثمان کی ڈاڑھی پکڑنا تو نظر آ جاتا ہے مگر ان (ابن ابی بکر) کے یہ الفاظ نظر نہیں آتے کہ واللہ! ما قتلته ولا امسکتہ۔ اللہ کی قسم! میں نے نہ تو ان (عثمان) کو قتل کیا اور نہ پکڑا۔ (تاریخ الإسلام للذهبی : ۳ / ۱۳۴)

بہر حال سیدنا محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہ نے نہ سیدنا عثمان کی ڈاڑھی پکڑی اور نہ ان کے قتل میں شریک ہوئے۔

محمد بن طلحہ بن مصرف (وثقه المجہور) کہتے ہیں کہ میں نے سیدہ صفیہ کے آزاد کردہ غلام کنانہ سے پوچھا: کیا سیدنا عثمان کا خون کرنے میں محمد بن ابی بکر کا کوئی کردار ہے؟ اس نے کہا: معاذ اللہ! وہ اندر گئے تھے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے ان سے کچھ بات چیت کی اور وہ باہر آ گئے ان کا سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ (مسند اسحاق بن



راہویہ: ۲۰۵۴، واسنادہ حسن) اس روایت سے معلوم ہوا کہ سیدنا محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہ کا شہادت عثمان سے کوئی تعلق نہیں۔

✽ عبد الرحمن بن عدیس: اسی طرح سیدنا عبد الرحمن بن عدیس رضی اللہ عنہ کا بھی نام لیا جاتا ہے کہ وہ اس مصری وفد کی قیادت کر رہے تھے جو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کرنے آیا تھا۔ ہمارے علم کے مطابق کسی بھی صحیح یا حسن روایت میں یہ نہیں ملتا کہ سیدنا عبد الرحمن بن عدیس شہادت عثمان رضی اللہ عنہ میں کسی بھی طرح سے ملوث ہوئے ہوں۔ اس سلسلے کی جتنی بھی روایات ہیں وہ یا تو محض باتیں ہیں، بلا سند ہیں، اور اگر کوئی سند ہے بھی تو وہ ضعیف ہے۔ الاستیعاب لابن عبد البر اور تاریخ الاسلام للذہبی میں جو باتیں بیان ہوئی ہیں وہ بلا سند ہیں۔ بے شک علامہ ذہبی رجال کے ماہر امام ہیں لیکن ان کی ذکر کردہ ایسی بات جس کی کوئی سند ہی نہ ہو کس طرح دلیل و حجت بن سکتی ہے؟

✽ عبد اللہ بن بدیل بن ورقاء الخزاعی: سیدنا عبد اللہ بن بدیل بن ورقاء الخزاعی رضی اللہ عنہ کا نام لیا جاتا ہے کہ انھوں نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے دفاع کے لیے آنے والے مغیرہ بن اخس الثقفی کو قتل کیا تھا۔ (ضعیف تاریخ الطبری: ۵۷۵ / ۸) امام طبری کی بیان کردہ یہ روایت ضعیف ہے۔ جعفر بن عبد اللہ الحمادی، حسین بن عیسیٰ اور اس کا والد مجہول ہیں۔ علاوہ ازیں اس میں انقطاع بھی ہے۔ سیدنا ابن بدیل رضی اللہ عنہ کے حوالے سے ایک بھی صحیح یا حسن روایت ایسی نہیں جس سے یہ ثابت ہو کہ وہ اس سانحہ میں ملوث تھے۔

✽ عمرو بن حمق الخزاعی: محمد بن سعد لکھتے ہیں کہ یہ (عمرو بن حمق) ان لوگوں میں سے تھے جو سیدنا عثمان (کو شہید کرنے) کے لیے نکلے تھے اور انھوں (عمرو) نے ان (عثمان) کی شہادت میں اعانت بھی کی تھی۔ (الطبقات: ۱۴۷ / ۸) ابن عبد البر کہتے ہیں کہ یہ ان چار آدمیوں میں سے تھے جو (سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کرنے کے لیے ان کے) گھر میں دیوار پھلانگ کر داخل ہوئے تھے۔ (الاستیعاب: ۲۵۸ / ۳) امام ابن سعد اور ابن عبد البر نے یہ باتیں کہاں سے لی ہیں؟ کوئی اتنا پتا نہیں۔ اس طرح کی باتوں کو بنیاد بنا کر کیسے کسی کو قاتل کہا

جاسکتا ہے؟ خصوصاً صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے متعلق وہ باتیں جن کی کوئی سند نہ ملے یا سند تو ملے مگر وہ بے کار اور فضول قسم کی ہو، اسے ہم کیسے حجت مان لیں۔

بہر حال سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت میں کسی بھی صحابی کے ملوث ہونے کی کوئی صحیح و صریح دلیل نہیں۔ سب سنی سنائی باتیں ہیں جنہیں بعض علماء نے بغیر تحقیق اور چھان بین کے اپنی کتب میں بیان کر دیا ہے۔

⑦ صحابہ کرام کو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے محبت تھی۔ حمید کہتے ہیں: میں نے سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے کہا: کچھ لوگ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ علی و عثمان رضی اللہ عنہما (دونوں) کی محبت ایک دل میں اکٹھی نہیں ہو سکتی۔ تو انھوں نے فرمایا: واللہ! وہ جھوٹ کہتے ہیں۔ بلاشبہ ہمارے دلوں میں تو اللہ نے ان دونوں کی محبت کو اکٹھا کر دیا ہے۔ (تاریخ دمشق: ۵۰۰/۳۹ و سندہ حسن)

⑧ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کرنے والا سیاہ رنگ کا ایک مصری شخص تھا۔ (مسند ابن الجعد: ۲۶۶۴ و سندہ حسن) جس کا لقب ”الموت الاسود“ (سیاہ موت) تھا۔ (فضائل الصحابة لأحمد: ۷۶۵ و سندہ صحیح) اور نام جبکہ بن اسہم تھا۔ اس کا تعلق قبیلہ مضر سے تھا۔ (مسند إسحاق بن راہویہ: ۲۰۵۴ و سندہ حسن) اسے ہمار (گدھا) بھی کہا جاتا تھا۔ (تاریخ خلیفہ، ص ۱۰۳ و سندہ حسن)

### ☆ قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ کا انجام:

سیدنا جناب رضی اللہ عنہ سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ جب لوگ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف (ان کو شہید کرنے) نکلے تو انھوں (سیدنا حذیفہ) نے فرمایا: اللہ کی قسم! یہ لوگ ضرور بالضرور ان کو شہید کر دیں گے۔ میں نے کہا: اس صورت میں عثمان کہاں جائیں گے؟ انھوں نے جواب دیا: جنت میں۔ میں نے کہا: اور ان کے قاتل کہاں جائیں گے؟ انھوں نے جواب دیا: اللہ کی قسم! وہ جہنم میں جائیں گے۔ (الشریعة لأجری: ۱۵۲۲ و سندہ صحیح)



## کیا سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کاتب وحی نہیں تھے؟

محمد ارشد کمال

بعض لوگ امیر المومنین سیدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کے متعلق یہ پروپیگنڈا پھیلا رہے ہیں کہ وہ کاتب وحی نہیں تھے، صرف کاتب تھے یعنی وحی کے علاوہ دوسری چیزیں خطوط وغیرہ تحریر کیا کرتے تھے۔ حالانکہ یہ بات درست نہیں، محض پروپیگنڈا، تعصب اور حقائق سے جہالت ہے۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا ”کاتب وحی“ ہونا ایک مسلمہ حقیقت ہے جس سے انکار کی قطعاً گنجائش نہیں۔

✽..... سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

((كَانَ الْمُسْلِمُونَ لَا يَنْظُرُونَ إِلَى أَبِي سُفْيَانَ وَلَا يَقَاعِدُونَهُ، فَقَالَ لِلنَّبِيِّ ﷺ: يَا نَبِيَّ اللَّهِ! ثَلَاثُ أَعْطَيْنَهُنَّ. قَالَ: ((نَعَمْ)) قَالَ: عِنْدِي أَحْسَنُ الْعَرَبِ وَأَجْمَلُهُ، أُمُّ حَبِيبَةَ بِنْتُ أَبِي سُفْيَانَ، أَرْوَجُهَا، قَالَ: ((نَعَمْ)) قَالَ: وَمُعَاوِيَةُ تَجْعَلُهُ كَاتِبًا بَيْنَ يَدَيْكَ، قَالَ: ((نَعَمْ)) قَالَ: وَتَوَمَّرُنِي حَتَّى أَقَاتِلَ الْكُفَّارَ كَمَا كُنْتُ أَقَاتِلُ الْمُسْلِمِينَ، قَالَ: ((نَعَمْ)) قَالَ أَبُو زُمَيْلٍ: وَلَوْ لَا أَنَّهُ طَلَبَ ذَلِكَ مِنَ النَّبِيِّ ﷺ، مَا أَعْطَاهُ ذَلِكَ، لِأَنَّهُ لَمْ يَكُنْ يُسْأَلُ شَيْئًا إِلَّا قَالَ: ((نَعَمْ)).

مسلمان ابوسفیان کی طرف نہ متوجہ ہوا کرتے تھے اور نہ ان سے نشست و برخاست رکھتے تھے۔ (ایک دن) انھوں نے نبی ﷺ سے عرض کیا: اللہ کے نبی! میری تین درخواستیں قبول فرمالیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”ہاں۔“ انھوں نے کہا: میرے پاس عرب کی حسین و جمیل عورت ام حبیبہ بنت ابی سفیان ہیں،

میں آپ کا اس سے نکاح کرتا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”ہاں (ٹھیک ہے)۔“ انھوں نے کہا: آپ معاویہ کو اپنا کاتب بنالیں۔ آپ نے فرمایا: ”ہاں۔“ انھوں نے کہا: آپ مجھے لشکر کا امیر بنادیں تاکہ میں کفار سے جنگ کروں جس طرح میں مسلمانوں سے جنگ کیا کرتا تھا۔ آپ نے فرمایا: ”ہاں (ٹھیک ہے)۔“ راوی ابو زمیل کہتے ہیں: اگر وہ (ابوسفیان) نبی ﷺ سے درخواست نہ کرتے تو آپ ﷺ اسے یہ چیزیں عنایت نہ فرماتے لیکن آپ کی عادت مبارکہ تھی کہ جب آپ سے کچھ مانگا جاتا تو آپ عنایت فرما دیتے۔ (صحیح مسلم: 2501)

اس حدیث سے پتا چلا کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے کاتب تھے۔ گو اس میں وحی کی صراحت نہیں۔ لیکن دوسری حدیث میں اس کی بھی صراحت ہے۔ بہر حال اس سے یہ تو ثابت ہو گیا کہ سیدنا معاویہ رسول اللہ ﷺ کے کاتب تھے۔ بے شک یہ عہدہ سیدنا ابوسفیان کی درخواست پر ملا ہے۔ لیکن ملا ضرور ہے، اگر آپ رضی اللہ عنہ اس کے اہل نہ ہوتے تو رسول اللہ ﷺ اتنے اہم عہدے پر آپ کو کبھی فائز نہ فرماتے۔ آپ ﷺ کا سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو اپنا کاتب بنالینا ہی ان کے دین کی پختگی اور عادل اور امین ہونے کی دلیل ہے کیوں کہ رسول اللہ ﷺ عادل اور امانت دار شخص کے علاوہ کسی کو اپنا کاتب نہیں بناتے تھے۔

✽ سیدنا سہل بن حنظلہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

((أَنَّ عُمَيْنَةَ وَالْأَقْرَعَ سَأَلَا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ شَيْئًا فَأَمَرَ مُعَاوِيَةَ أَنْ يَكْتُبَ بِهِ لَهُمَا فَفَعَلَ وَخَتَمَهَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ وَأَمَرَ بِدَفْعِهِ إِلَيْهِمَا فَأَمَّا عُمَيْنَةُ، فَقَالَ: مَا فِيهِ؟ قَالَ: فِيهِ الَّذِي أُمِرْتُ بِهِ فَقَبَّلَهُ وَعَقَدَهُ فِي عِمَامَتِهِ وَكَانَ أَحْلَمَ الرَّجُلَيْنِ . . . ))

”عُمینہ اور اقرع نے رسول اللہ ﷺ سے کچھ مانگا تو آپ نے معاویہ رضی اللہ عنہ کو لکھنے کا حکم دیا کہ ان کا مطالبہ پورا کیا جائے۔ سیدنا معاویہ نے لکھ دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس تحریر پر مہر لگا دی اور حکم دیا کہ انھیں دے دو۔“ عُمینہ نے پوچھا:



(معاویہ!) اس خط میں کیا لکھا ہے؟ معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا: وہی جس کا مجھے حکم ملا ہے۔ عیینہ نے خط چوما اور پگڑی میں باندھ لیا۔ اور وہ ان دونوں میں سے زیادہ دانا اور عقل مند آدمی تھا۔“ (سنن ابی داؤد: 1629۔ مسند احمد: 180/4)

واسنادہ صحیح

اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کو سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر مکمل بھروسہ اور یقین تھا تبھی آپ نے ان کی تحریر پر مہر ثبت فرمادی اور کسی دوسرے صحابی سے نہ پڑھوایا اور ابوداؤد میں ہے کہ اقرع رضی اللہ عنہ نے شک کا اظہار کیا تو آپ ﷺ سخت ناراض ہوئے۔ جس شخص پر نبی ﷺ کو اس قدر اعتماد ہوا ہے کاتب وحی ہونے میں کون سی چیز مانع تھی؟ جو لوگ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کاتب وحی نہیں تھے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ ان سے سوال کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

فَمَا الدَّلِيلُ عَلَى أَنَّهُ لَمْ يَكْتُبْ لَهُ كَلِمَةً وَاحِدَةً مِنَ الْوَحْيِ وَإِنَّمَا كَانَ يَكْتُبُ لَهُ رَسَائِلَ؟

”اس دعویٰ کی کیا دلیل ہے کہ سیدنا معاویہ نے صرف خطوط لکھے ہیں اور وحی کا ایک لفظ بھی نہیں لکھا؟“ (منہاج السنة النبوية: 427/4)

✽ اب وہ روایت ملاحظہ کریں جس میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے کاتب وحی ہونے کا واضح ذکر ہے۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

((كُنْتُ أَلْعَبُ مَعَ الْغُلَمَانِ إِذَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ قَدْ جَاءَ فَقُلْتُ: مَا جَاءَ إِلَّا إِلَيَّ، فَاخْتَبَأْتُ عَلَى بَابٍ فَجَاءَ فَحَطَّأَنِي فَقَالَ: ((اذهَبْ فَادْعُ لِي مُعَاوِيَةَ)) وَكَانَ يَكْتُبُ الْوَحْيَ، قَالَ: فَذَهَبْتُ فَدَعَوْتُهُ لَهُ، فَقِيلَ: إِنَّهُ يَأْكُلُ فَاتَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ فَاخْبَرْتُهُ فَقَالَ: ((فَاذْهَبْ فَادْعُهُ)) فَاتَيْتُهُ فَقِيلَ: إِنَّهُ يَأْكُلُ، فَاتَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ فَاخْبَرْتُهُ فَقَالَ فِي الثَّالِثَةِ: ((لَا أَشْبَعُ اللَّهُ بَطْنَهُ)) قَالَ:



فَمَا شَبَعَ بَطْنُهُ . )) (دلائل النبوة للبيهقي : 2520)

”میں لوگوں کے ساتھ کھیل رہا تھا کہ اچانک رسول اللہ ﷺ تشریف لے آئے میں نے کہا: آپ ﷺ میری طرف ہی تشریف لائے ہیں۔ میں دروازے کے پیچھے چھپ گیا۔ آپ نے میرے کندھوں کے درمیان تھکی لگائی اور فرمایا: ”جاؤ اور معاویہ کو میرے پاس بلاؤ۔“ اور وہ (معاویہ) کاتب وحی تھے۔ (ابن عباس رضی اللہ عنہما) کہتے ہیں: میں نے جا کر انھیں بلایا تو بتایا گیا کہ وہ کھانا کھا رہے ہیں۔ میں نے آ کر رسول اللہ ﷺ کو بتایا تو آپ نے (پھر دوبارہ) فرمایا: ”جاؤ اور انھیں بلاؤ۔“ میں ان کے پاس (دوسری بار) گیا تو بتایا گیا کہ وہ کھانا کھا رہے ہیں۔ میں (واپس) رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور آپ کو اس کی اطلاع کر دی تو آپ نے (بطور مزاح) تیسری بار فرمایا: ”اللہ اس کے پیٹ کو سیر نہ کرے۔“ (ابن عباس) کہتے ہیں: پھر اس کے بعد ان کا پیٹ سیر نہیں ہوا۔“ اس حدیث کی سند صحیح ہے۔

اس کے راویوں کا مختصر تعارف پیش خدمت ہے:

✽ سیدنا ابن عباس: صحابی ہیں۔ رضی اللہ عنہما

✽ ابو حمزہ (عمران بن ابی عطاء الاسدی): صحیح مسلم کے راوی اور جمہور کے نزدیک ثقہ و

صدوق ہیں۔ (القول القوی، ص: 229)

✽ ابو عوانہ (وضاح بن عبد اللہ الیشکری) ثقہ ثبت ہیں۔ (تقریب التہذیب: 7407)

✽ موسیٰ بن اسماعیل (ابو سلمہ التبوذکی المنقری) ثقہ ثبت ہیں۔ (ایضاً: 6943)

✽ ہشام بن علی (ابو علی السیرانی السدوسی) صدوق ہیں۔ ابن حبان نے انھیں ”کتاب

الثقات“ (234/9) میں ذکر کیا اور فرمایا: مستقیم الحدیث ہیں۔ امام حاکم نے ان کی

حدیث کو صحیح کہا اور ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے۔ (المستدرک: 166/2)

✽ علی بن حمزاد: العدل، الثقہ، الحافظ، الامام شیخ نيسابور اور صاحب التصانیف ہیں۔ (سیر



أعلام النبلاء : 218/10

✽ ابو عبد اللہ الحافظ (محمد بن عبد اللہ الحاکم) صاحب المستدرک علی الصحیحین ،

مشہور ثقہ صدوق ہیں۔ (القول القوی ، ص : 283)

معلوم ہوا کہ یہ حدیث صحیح ہے اور سیدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کاتب وحی ہیں۔ نبی کریم ﷺ کو آپ پر پورا اعتماد اور بھروسہ تھا۔ آپ ﷺ معاویہ سے وحی اور خطوط وغیرہ سب کچھ لکھوایا کرتے تھے۔ پوری امت اس بات کا اعتراف کرتی ہے کہ سیدنا معاویہ وحی رب العالمین کے کاتب تھے۔ چند حوالے درج ذیل ہیں:

✽ ثقہ محدث رباح بن جراح الموصلی کہتے ہیں:

”سَمِعْتُ رَجُلًا يَسْأَلُ الْمُعَاوِيَةَ بْنَ عَمْرٍاءَ، فَقَالَ: يَا أَبَا مَسْعُودٍ! أَيْنَ عُمَرُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ مِنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ أَبِي سُفْيَانَ؟ فَغَضِبَ مِنْ ذَلِكَ غَضَبًا شَدِيدًا، وَقَالَ: لَا يُقَاسُ بِأَصْحَابِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ أَحَدٌ، مُعَاوِيَةُ صَاحِبُهُ وَصَهْرُهُ وَكَاتِبُهُ وَأَمِينُهُ عَلَى وَحْيِ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ.“

”میں نے ایک آدمی کو (ثقہ امام شیخ الاسلام) معانی بن عمران (المتوفی 185ھ) سے سوال کرتے سنا، اس نے کہا: اے ابو مسعود! معاویہ بن ابی سفیان کے مقابلے میں عمر بن عبد العزیز کیا حیثیت رکھتے ہیں؟ یہ سن کر وہ (معانی بن عمران) سخت غصے میں آ گئے اور کہا: رسول اللہ ﷺ کے اصحاب کے ساتھ کسی کا موازنہ نہیں کیا جاسکتا۔ معاویہ آپ ﷺ کے صحابی ہیں۔ آپ ﷺ کے سرالی عزیز ہیں۔ آپ ﷺ کے کاتب اور اللہ عزوجل کی وحی پر آپ ﷺ کے امین ہیں۔“ (تاریخ مدینۃ السلام : 577/1، واسنادہ صحیح)

✽ امام ابو بکر محمد بن حسین الآجری (المتوفی 360ھ) فرماتے ہیں:

”مُعَاوِيَةُ رَحِمَهُ اللَّهُ كَاتِبُ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ عَلَى وَحْيِ اللَّهِ

عَزَّوَجَلَّ وَهُوَ الْقُرْآنُ بِأَمْرِ اللَّهِ عَزَّوَجَلَّ .“

”معاویہ رضی اللہ عنہ عَزَّوَجَلَّ کی وحی پر رسول اللہ ﷺ کے کاتب ہیں۔ وحی سے

مراد قرآن ہے۔“ (الشريعة، ص: 692)

✽ علامہ ابن حزم الاندلسی (المتوفی 456ھ) رقمطراز ہیں:

”وَكَانَ زَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ مِّنْ أَلْزَمِ النَّاسِ لِذَلِكَ ثُمَّ تَلَاهُ مُعَاوِيَةُ بَعْدَ الْفَتْحِ فَكَانَا مَلَا زَمِينَ لِلْكِتَابَةِ بَيْنَ يَدَيْهِ ﷺ فِي الْوَحْيِ وَغَيْرِ ذَلِكَ لَا عَمَلَ لَهُمَا غَيْرَ ذَلِكَ .“

”اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کتابت وحی کے لیے مخصوص تھے پھر فتح مکہ کے بعد

معاویہ رضی اللہ عنہ بھی اس خدمت پر مامور ہو گئے۔ یہ دونوں حضرات آپ ﷺ کے

سامنے ہمیشہ کتابت وحی وغیرہ کے لیے مستعد رہتے۔ اس کے علاوہ ان کی اور

کوئی ذمہ داری نہیں تھی۔“ (جوامع السيرة، ص: 27)

✽ حافظ ابن عساکر (المتوفی 571ھ) فرماتے ہیں: ”خَالَ الْمُؤْمِنِينَ، وَكَاتَبُ

وَحْيِي رَبِّ الْعَالَمِينَ“ وہ (معاویہ رضی اللہ عنہ) مومنوں کے ماموں ہیں (کیوں کہ وہ

ہماری ماں ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے بھائی ہیں) اور رب العالمین کی وحی کے کاتب ہیں۔

(تاریخ دمشق: 55/59)

✽ علامہ ابوزکریا یحییٰ بن شرف النووی (المتوفی 676ھ) فرماتے ہیں: مُعَاوِيَةُ بْنُ أَبِي

سُفْيَانَ الْخَلِيفَةُ أَحَدُ كِتَابِ الْوَحْيِ“ معاویہ بن ابی سفیان کاتبین وحی میں سے

ہیں۔ (المجموع شرح المہذب: 70/1)

✽ علامہ ابواسحاق ابراہیم الشاطبی (المتوفی 790ھ) فرماتے ہیں: ”وَذَكَرَ أَهْلُ السِّيَرِ أَنَّهُ

كَانَ لِرَسُولِ اللَّهِ ﷺ كِتَابٌ يَكْتُبُونَ لَهُ الْوَحْيَ وَغَيْرَهُ، مِنْهُمْ عُثْمَانُ

وَعَلِيٌّ وَمُعَاوِيَةُ . . . . . اہل سیر نے یہ بات بیان کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ

کے کئی کاتب تھے جو آپ کے لیے وحی وغیرہ لکھا کرتے تھے۔ انھی میں سے عثمان، علی



اور معاویہ رضی اللہ عنہ ہیں۔ (الاعتصام، ص: 141)

✽ شیخ الاسلام ابن تیمیہ (المتوفی 728ھ) فرماتے ہیں: ”وَكَانَ يَكْتُبُ الْوَحْيَ فَهُوَ مِمَّنِ اتَّيَمَّنَهُ النَّبِيُّ ﷺ عَلَى كِتَابَةِ الْوَحْيِ“ اور وہ (معاویہ) وحی لکھا کرتے تھے پس وہ ان حضرات میں سے تھے جن کو نبی ﷺ نے کتابت وحی پر امین بنایا تھا۔

(منهاج السنة: 11/4)

✽ علامہ ابوالفداء ابن کثیر (المتوفی 774ھ) فرماتے ہیں: ”خَالَ الْمُؤْمِنِينَ وَكَاتَبَ وَحْيَ رَبِّ الْعَالَمِينَ“ وہ مومنوں کے ماموں اور رب العالمین کی وحی کے کاتب ہیں۔ (البداية والنهاية: 7/8)

اور فرماتے ہیں: ”وَالْمَقْصُودُ أَنَّ مُعَاوِيَةَ كَانَ يَكْتُبُ الْوَحْيَ لِرَسُولِ اللَّهِ ﷺ مَعَ غَيْرِهِ مِنْ كُتَّابِ الْوَحْيِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ“ اور حاصل کلام یہ ہے کہ معاویہ دیگر کاتبین وحی کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے لیے وحی کو لکھا کرتے تھے۔ (ایضاً)

✽ حافظ ذہبی (المتوفی 748ھ) فرماتے ہیں: ”وَقَدْ صَحَّ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: كُنْتُ أَلْعَبُ، فَدَعَانِي رَسُولُ اللَّهِ ﷺ وَقَالَ: ((ادْعُ لِي مُعَاوِيَةَ)) وَكَانَ يَكْتُبُ الْوَحْيَ. “ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے صحیح سند سے ثابت ہے کہ انھوں نے کہا: میں کھیل رہا تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے بلایا اور فرمایا: ”میرے پاس

معاویہ کو بلا لاؤ۔“ اور وہ (معاویہ) وحی لکھا کرتے تھے۔ (تاریخ الاسلام: 159/4)

✽ حافظ ابن ملقن (المتوفی 804ھ) فرماتے ہیں: ”أَمَّا مُعَاوِيَةُ فَهُوَ خَالَ الْمُؤْمِنِينَ، أَبُو عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي سُفْيَانَ صَخْرِ بْنِ حَرْبِ الْخَلِيفَةِ الْأُمَوِيِّ كَاتِبُ الْوَحْيِ“ رہے معاویہ تو وہ مومنوں کے ماموں ابو عبد الرحمن بن ابی سفیان صخر بن حرب، اموی خلیفہ اور کاتب وحی ہیں۔ (التوضیح

لشرح الجامع الصحيح: 343/3)

✽ حافظ ابن حجر (المتوفی 852ھ) فرماتے ہیں: ”مُعَاوِيَةُ بْنُ أَبِي سُفْيَانَ صَخْرِ بْنِ

حَرْبِ بَنِي أُمَيَّةَ الْأَمْوِي، أَبُو عَبْدِ الرَّحْمَنِ، الْخَلِيفَةُ: صَحَابِي،  
أَسْلَمَ قَبْلَ الْفَتْحِ وَكُتِبَ الْوَحْيُ "معاوية بن ابی سفيان صحز بن حرب بن امیه  
الاموی، خلیفہ، صحابی ہیں۔ فتح مکہ سے پہلے مسلمان ہوئے اور وحی لکھی۔

(تقریب التہذیب: 6758)

✽ علامہ ابن العمداء الحسنبی (المتوفی 1089ھ) فرماتے ہیں: "وَهُوَ أَحَدُ كُتْبَةِ

الوحي" اور وہ کاتبین وحی میں سے ایک ہیں۔ (شذرات الذهب: 119/1)  
ان جلیل القدر علماء اسلام کے ان مندرجہ بالا حوالہ جات سے یہ حقیقت نکھر کر سامنے آتی  
ہے کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا تب وحی تھے۔ آپ اس مقدس جماعت کے ایک رکن رکین تھے  
جسے رسول اللہ ﷺ نے کتابت وحی کے لیے مامور فرمایا تھا۔

### سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ قوی اور امانت دار تھے

ابو محمد عبد اللہ اختر

سیدنا عبد اللہ بن بسر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اور  
عمر رضی اللہ عنہ سے کسی معاملے میں مشورہ طلب کیا جس کا آپ ﷺ ارادہ رکھتے تھے تو  
ان دونوں نے کہا: اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ تب آپ ﷺ نے  
فرمایا: "معاویہ کو میرے پاس بلا کر لاؤ۔" تو جب وہ (معاویہ رضی اللہ عنہ آ کر)  
آپ ﷺ کے سامنے کھڑے ہوئے تو آپ ﷺ نے فرمایا: "اس (معاویہ) کو  
اپنے معاملے میں گواہ بناؤ (اور) اپنے معاملے میں شامل کرو کیونکہ یہ قوی اور امین  
ہے۔" (مسند البزار: 3507، مسند الشامیین: 1110 وسندہ حسن۔

نعیم بن حماد حسن الحديث عند الجمهور)

## عیسائی شبہ کا ازالہ

ابن خوشی محمد جنوہ

صلیبی صاحبان بحث مباحثہ کے دوران میں اظہار خیال کرتے ہیں کہ مسلمان ان کے نظریہ ”ابن اللہ“ پر اعتراض کیوں کرتے ہیں حالانکہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ”کلمۃ اللہ“ اور ”روح اللہ“ کہتے ہیں۔ روح اللہ جب کہ ابن اللہ سے کم نہیں۔ پادریوں نے قرآنی آیات کی من مانی تعبیر کر کے سادہ لوح مسلمانوں کو گمراہ کرنے کی کوشش کی ہے۔ چنانچہ قرآن حکیم کی روشنی میں اصل حقائق پیش کرتے ہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے کلمہ ”کُنْ“ سے پیدا ہوئے تھے۔ قرآن وضاحت کرتا ہے:

﴿إِذْ قَالَتِ الْمَلَائِكَةُ لِمَرْيَمُ إِنَّ اللَّهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِنْهُ ۖ اسْمُهُ الْمَسِيحُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَجِيهًا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِينَ ۖ وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا ۚ وَمِنَ الصَّالِحِينَ ۝ قَالَتْ رَبِّ أَنَّى يَكُونُ لِي وَلَدٌ وَلَمْ يَمْسَسْنِي بَشَرٌ ۖ قَالَ كَذَلِكَ اللَّهُ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ ۖ إِذَا قَضَىٰ أَمْرًا فَإِنَّمَا يَقُولُ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ۝﴾ (آل عمران: 45-47)

”جب فرشتوں نے کہا: اے مریم! اللہ تعالیٰ تجھے اپنے ایک کلمہ کی خوش خبری دیتا ہے جس کا نام مسیح عیسیٰ بن مریم ہے جو دنیا اور آخرت میں ذی عزت ہے اور وہ مقربین میں سے ہے۔ وہ لوگوں سے اپنے گہوارے میں باتیں کرے گا اور ادھیڑ عمر میں بھی اور وہ نیک لوگوں میں سے ہوگا۔ کہنے لگیں: الہی! مجھے لڑکا کیسے ہوگا؟ حالانکہ مجھے تو کسی انسان نے ہاتھ بھی نہیں لگایا۔ فرشتے نے کہا: اسی طرح اللہ تعالیٰ جو چاہے پیدا کرتا ہے جب کبھی وہ کسی کام کو کرنا چاہتا ہے تو صرف یہ کہہ دیتا ہے کہ کُنْ (ہو جا) تو وہ ہو جاتا ہے۔“

اللہ سبحانہ نے سیدہ مریم کو ”بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ“ کی خوش خبری دی۔ اس کے نام اور صفات کا تذکرہ فرمایا اور وضاحت فرمادی: ”كَذٰلِكَ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ“  
حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایسا کلمہ ہیں جو اللہ کی ذات میں سے نہیں بلکہ پیدا شدہ ہیں جب کہ پیدا شدہ چیز اللہ کی ازلی صفت نہیں ہو سکتی۔

کلمۃ اللہ سے مراد لفظ ”کُن“ ہے۔ اس کی صراحت قرآن میں ایک اور مقام پر ہے:  
﴿اِنَّ مَثَلَ عِيسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ ط خَلَقْنٰهُ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهُ كُنْ فَيَكُوْنُ ۝﴾ (آل عمران: 59)

”اللہ تعالیٰ کے نزدیک عیسیٰ (علیہ السلام) کی مثال ہو بہو آدم (علیہ السلام) کی مثال ہے جسے مٹی سے بنا کر کے کہہ دیا کہ ہو جا تو وہ ہو گیا۔“

یہاں کلمہ ”کُن“ جو عیسیٰ علیہ السلام کی تخلیق کا باعث تھا آدم علیہ السلام کی مثال پیش کر کے اللہ سبحانہ کا ارادہ ظاہر کیا گیا۔ قرآن حکیم میں اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو صرف بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ کہا گیا ہوتا تو ان کا اعتراض غور طلب ہوتا لیکن ایسا نہیں ہے۔

کلمہ سے اللہ تعالیٰ کا علم، حکمتیں اور دلائل و براہین بھی ہیں قرآن حکیم میں مذکور ہے۔  
﴿قُلْ لَوْ كَانَ الْبَحْرُ مَدَادًا لَّحَكَمْتُ رَبِّيْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمَاتُ رَبِّيْ وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهِ مَدَدًا ۝﴾ (الکہف: 109)

”کہہ دے اگر سمندر میرے رب کی باتوں کے لیے سیاہی بن جائے تو یقیناً سمندر ختم ہو جائے گا اس سے پہلے کہ میرے رب کی باتیں ختم ہوں۔“

جس طرح اللہ کے کلمات سورج، چاند، ستارے، زمین، پہاڑ، سمندر، جنگلات، حیوانات، جمادات، نباتات سبھی اللہ کے کلمات ہیں، اسی طرح حضرت مسیح علیہ السلام بھی ”کُن“ سے پیدا ہونے والے کلموں میں سے ایک ہیں، اس بنا پر محض کلمۃ اللہ کہنے سے کوئی اللہ یا اس کی ذات کا جز نہیں بن سکتا۔

اللہ سبحانہ کا عام قانون ہے کہ میاں بیوی کے ملاپ سے اولاد پیدا ہوتی ہے۔ حکماء اور





فلاسفوں کے دور میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت اعجازی شان کی مظہر اور عام انسانی اصول کے برعکس باپ کے بغیر اللہ کی خاص قدرت اور اس کے کلمہ ”کُن“ کی تخلیق ہے۔ اس بنا پر اللہ سبحانہ نے ان کو بِكَلِمَةٍ قَدَرْتَهُ کہا۔

”روح منہ“ روح کا معنی ہے ”ما بہ الحیاة“ جس کے ساتھ زندگی قائم ہو۔ زندگی دو قسم کی ہوتی ہے: حسی اور معنوی۔ حسی زندگی وہ ہے جس کے ذریعے چلنا پھرنا، یاد کرنا۔ ہر قسم کے افعال صادر ہوتے ہیں۔ اور معنوی وہ ہے جس سے مکارم اخلاق، رحم، سخاوت محبت وغیرہ کا ظہور ہوتا ہے کیوں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام حیات حسی اور معنوی دونوں کے مظہر کامل تھے اس لیے آپ کو بطور مبالغہ روح کہہ دیا۔

قرآنی الفاظ روح منہ میں لفظ ”من“ جز کے لیے نہیں بلکہ کسی چیز کے صادر ہونے کے لیے ہے چنانچہ ترجمہ اس طرح ہوگا: ”اس (اللہ) کی طرف سے صادر ہونے والی روح۔“ قرآن حکیم میں روح کے ساتھ مِنْهُ لفظ آیا ہے تو مِنْهُ کا لفظ دیگر اشیاء کے ساتھ بھی آیا ہے: ﴿وَسَخَّرَ لَكُم مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ جَمِيعًا مِّنْهُ ط﴾ (الحجاثیہ: 13) ”اس نے آسمانوں اور زمین کی ساری ہی چیزوں کو تمہارے لیے مسخر کر دیا سب کچھ اسی کی طرف سے ہے۔“

آسمان و زمین کا اللہ کے مخلوق ہونے میں کوئی شبہ نہیں ان کی تسخیر بھی جَمِيعًا مِّنْهُ اللہ کی طرف سے ہے۔ مذاہب عالم کا اس امر پر اتفاق ہے کہ آسمان و زمین اللہ تعالیٰ کا جز نہیں ہیں۔ اسی طرح روح منہ کہنے سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ سبحانہ کی ذات کا جزو نہیں ہیں۔

قرآن حکیم میں وحی کو بھی روح کہا گیا ہے: ﴿رَفِيعُ الدَّرَجٰتِ ذُو الْعَرْشِ يُلْقِي الرُّوحَ مِنْ اَمْرِہٖ عَلٰی مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِہٖ لِيُنْذِرَ يَوْمَ التَّلَاقِ ط﴾ (المؤمن: 15) ”وہ بہت بلند درجوں والا عرش کا مالک ہے اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے اپنے حکم سے وحی اتارتا ہے تاکہ باہمی ملاقات کے دن سے ڈرائے۔“

وحی کو روح سے اس لیے تعبیر فرمایا کہ جس طرح روح میں انسانی زندگی کی بقا و سلامتی کا راز مضمر ہے اسی طرح وحی سے بھی انسانی قلب میں زندگی کی لہر دوڑ جاتی ہے۔

رب ذوالجلال ہزار ہا انبیاء کرام ﷺ پر وحی نازل فرما چکا ہے، تو اس میں حضرت مسیح علیہ السلام کی امتیازی حیثیت تو نہ رہی، جس کی بنا پر ان کو ابن اللہ کہیں۔

قرآن حکیم میں ہے کہ اللہ بنی آدم میں روح پھونکتا ہے: ﴿الَّذِي أَحْسَنَ كُلَّ شَيْءٍ خَلَقَهُ وَبَدَأَ خَلْقَ الْإِنْسَانِ مِنْ طِينٍ ۖ ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهُ مِنْ سُلَالَةٍ مِّنْ مَّاءٍ مَّهِينٍ ۖ ثُمَّ سَوَّاهُ وَنَفَخَ فِيهِ مِنْ رُّوحِهِ﴾ (السجده: 7-9) ”(وہ اللہ) جس نے نہایت خوب بنائی جو چیز بھی بنائی اور انسان کی بناوٹ مٹی سے شروع کی پھر اس کی نسل ایک بے وقعت پانی کے نچوڑ سے چلائی جسے ٹھیک ٹھاک کر کے اس میں اپنی روح پھونکی۔“

قرآن کی مذکورہ آیات کی روشنی میں انبیاء کرام ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حتیٰ کہ تمام بنی آدم میں روح پھونکی گئی اگر روح منہ کی وجہ سے عیسیٰ علیہ السلام کو ابن اللہ ثابت کیا جائے تو بنی آدم کو اللہ تعالیٰ کی جز تسلیم کرنا پڑے گا۔ جب کہ قرآن حکیم نے اللہ سبحانہ کے ساتھ ہر قسم کی جزیت کی نفی کر دی ہے۔

﴿قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ ۖ اللَّهُ الصَّمَدُ ۖ لَمْ يَلِدْهُ ۖ لَمْ يُولَدْ ۖ لَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُوًا أَحَدٌ ۖ﴾ (الاخلاص: 1-4)

”کہہ دے وہ اللہ ایک ہے اللہ بے نیاز ہے نہ اس نے کسی کو جنا اور نہ وہ جنا گیا اور نہ کبھی کوئی ایک اس کے برابر کا ہے۔“

حضرت عیسیٰ روح اللہ کی حقیقت یہ ہے کہ عام قانون کے تحت فرشتہ اللہ کے حکم سے رحم مادر میں روح پھونکتا ہے جب کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معاملہ میں فرشتہ نے اللہ کے حکم سے مائی مریم طاہرہ کے گریبان میں روح پھونک دی کیوں کہ عیسیٰ بن باپ پیدا ہوئے تو یہودیوں نے ان پر بہتان تراشی کی۔ اللہ سبحانہ نے ان کی عفت و عصمت کے ثبوت کے لیے ان کو روح اللہ اور کلمۃ اللہ کہا تا کہ یہودیوں کا منہ بند ہو جائے۔

حضرت صالح علیہ السلام کی اوٹنی عام قانون سے ہٹ کر تخلیق ہوئی اللہ نے اسے ”نَاقَةُ اللَّهِ“ کہا: ﴿وَيَقْوِمُ هَذِهِ نَاقَةُ اللَّهِ لَكُمْ آيَةً﴾ (ہود: 64) ”اور اے میری قوم! یہ اللہ کی اوٹنی ہے تمہارے لیے عظیم نشانی۔“ چوں کہ یہ اوٹنی معجزانہ طور پر خلاف عادت پیدا ہوئی تھی اس لیے اسے ”نَاقَةُ اللَّهِ“ کہا۔

صلیو! حضرت صالح علیہ السلام کی جس اوٹنی کو ”نَاقَةُ اللَّهِ“ کہا گیا، کیا وہ اللہ کی الوہیت میں شریک ہے؟ اگر ہے تو اس کی پوجا کیوں نہیں کرتے ہو؟ اگر نہیں تو روح اللہ سے ابن اللہ کا استدلال کیوں کرتے ہو؟ تم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ابن اللہ ثابت کرنے کے لیے جن قرآنی الفاظ سے استدلال کیا ہے، اگر تم ان کے سیاق و سباق کو پڑھ لیتے تو اس گمراہی میں مبتلا نہ ہوتے۔

﴿يَا هَلْ الْكِتَابَ لَا تَعْلَمُونَ فِي دِينِكُمْ وَلَا تَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ إِلَّا الْحَقُّ إِنَّمَا الْمَسِيحُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُولُ اللَّهِ وَكَلِمَتُهُ أُلْقِيَهَا إِلَى مَرْيَمَ وَرُوحٌ مِنْهُ فَآمَنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ وَلَا تَقُولُوا ثَلَاثَةٌ إِنَّمَا هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ إِنَّمَا اللَّهُ إِلَهٌ وَاحِدٌ سُبْحَنَهُ أَنْ يَكُونَ لَهُ وَلَدٌ لَهُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَكَفَى بِاللَّهِ وَكِيلًا ۚ لَنْ يَسْتَنْكَفَ الْمَسِيحُ أَنْ يَكُونَ عَبْدًا لِلَّهِ﴾

(النساء: 171-172)

”اے اہل کتاب! اپنے دین میں غلو نہ کرو اور اللہ کی نسبت وہی بات کہو جو حق ہو، مسیح عیسیٰ ابن مریم صرف اللہ کے رسول اور اس کا کلمہ تھے جسے اللہ نے مریم کی طرف بھیجا تھا اور وہ اس کی طرف سے ایک روح تھے۔ سو تم اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ اور یہ نہ کہو کہ (خدا) تین ہیں اس بات سے باز آ جاؤ یہی تمہارے لیے بہتر ہے۔ صرف اللہ اکیلا ہی الہ ہے وہ اس بات سے پاک ہے کہ اس کی کوئی اولاد ہو۔ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے سب اسی کا ہے۔ اور اللہ اکیلا ہی (کائنات کا نظام چلانے کے لیے) کافی ہے۔ مسیح اس بات میں

عار نہیں سمجھتا کہ وہ اللہ کا بندہ ہو کر رہے۔“

اللہ سبحانہ نے ان آیات میں یہود و نصاریٰ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ دین میں غلو نہ کرو۔ غلو کا معنی ایسا مبالغہ ہے جو سیدھی راہ سے ہٹ کر ہو۔ خواہ یہ مبالغہ افراط کی جانب ہو یا تفریط کی جانب۔

یہودیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مقام نبوت کو نہ سمجھا بلکہ انھوں نے آپ کو قتل کرنے کی مذموم کوشش کی جس میں وہ ناکام رہے جب کہ صلیبیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یوں بڑھایا کہ انھیں اللہ کا بیٹا قرار دیا اور تین خداؤں میں تیسرا خدا قرار دیا۔ اللہ نے نصاریٰ کو فرمایا کہ تمھارے لیے بہتر ہے کہ وحی الہی کو جوں کا توں مان لو کہ صرف اللہ ہی اکیلا الہ ہے۔ اسے کسی اولاد کی کوئی ضرورت نہیں، وہ ایسی باتوں سے پاک و صاف ہے۔ وہ ہر چیز کا مالک ہے وہ اکیلا ہی کائنات کا نظام چلا رہا ہے اسے کسی سہارے کی ضرورت نہیں۔ جب عیسیٰ اور فرشتے اقرار کر رہے ہیں کہ وہ اللہ کے غلام ہیں وہ اللہ کی عبادت کرتے ہیں، پھر وہ معبود کیسے ہوئے؟ صلیبی خود کہتے ہیں کہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام زیتون کی پہاڑی پر اللہ کی عبادت کیا کرتے تھے۔ عقیدہ تثلیث کے تحت اگر وہ خدا تھے تو ان کو اللہ کی عبادت کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی؟

حضرت عیسیٰ ابن اللہ نہیں وہ اللہ کے بندے اور نبی ہیں، انھوں نے ماں کی گود میں فرمایا:

﴿إِنِّي عَبْدُ اللَّهِ ۖ إِنِّي كُنْتُ الْكَتَبَ وَجَعَلَنِي نَبِيًّا﴾ (مریم: 30)

”میں اللہ کا بندہ ہوں اس نے مجھے کتاب عطا فرمائی اور مجھے اپنا نبی بنایا۔“

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش بن باپ کلمہ ”کُنْ“ سے ہوئی اور وہ اللہ کے مقرب روحوں میں سے ایک مقرب روح ہیں۔ اللہ ہم کو حق سمجھنے کی توفیق دے۔ آمین



جمع وترتيب: محمد ارشد كمال

## القول القوي في نقد الرجال للشيخ زبير علي زئي رحمته الله

(128) أحمد بن عبدوس بن حمدويه الصفار النيسابوري

لا يعرف . [الحديث : 26/77]

(129) أحمد بن عبيد الله (عبد الله) بن شاذان

لا يعرف . [الحديث : 14/27 ، 35/104]

(130) أحمد بن عثمان بن يحيى الأدمي

كان ثقة حسن الحديث . (تاريخ بغداد : 299/4) - [الحديث : 17/6]

(131) أحمد بن علي بن ثابت الخطيب البغدادي، أبو بكر

ثقة حافظ وهو برئ من التدليس . [الفتح المبين ، ص : 212]

(132) أحمد بن علي بن جعفر بن محمد الخيوطي، أبو الفرج

لم أجد توثيقه ولا ترجمته ، وجرح فيه الذهبي . [الحديث : 40/97]

(133) أحمد بن علي بن حجر العسقلاني

ثقة حافظ وهو برئ من التدليس . [الفتح المبين ، ص : 212]

(134) أحمد بن علي بن الحسن بن شاذان النيسابوري

ابن حسنويه وهو مجروح ساقط العدالة ، والله أعلم . [تحفة

الأقوياء ، ص : 8]

(135) أحمد بن علي بن الحسن بن شعيب بن زياد المدائني، أبو علي

حسن الحديث ، وثقه الجمهور توفى سنة 327هـ . [الحديث :



(136) أحمد بن علي بن عبد الله بن عمر بن خلف الشيرازي  
الأديب، أبوبكر

ثقة . (انظر: الحلقة الاولى من تاريخ نيسابور: المنتخب من السياق لعبد  
الغافر بن إسماعيل الفارسي، ص: 135، ترجمة: 242) - [الحديث: 7/66]

(137) أحمد بن علي بن عمر بن حبيش الرازي

لم أجد من وثقه . [الحديث: 15/7]

(138) أحمد بن علي بن المثنى التيمي، أبو يعلى الموصلي

مشهور ثقة إمام صاحب المسند . [الحديث: 31/25]

(139) أحمد بن علي بن مسلم الأبار، أبو العباس البغدادي

ثقة متقن، بل أجمع المحدثون على توثيقه . [الحديث: 42/97]

(140) أحمد بن عمر بن علي بن الحسن، أبو الحسين

لم أجد من وثقه . [الحديث: 30/84]

(141) أحمد بن عمر بن محمد الغازي

ثقة وهو برئ من التدليس . [الفتح المبين، ص: 212]

(142) أحمد بن عمرو بن عبد الخالق البزار، أبوبكر

صدوق حسن الحديث، توفي سنة 292هـ . [الحديث: 43/75]

(143) أحمد بن عيسى الخشاب

مجروح جدا، أنظر لسان الميزان . (ج 1 ص 240، 241) - [الحديث

: 9/44]

(144) أحمد بن القاسم بن محمد بن سليمان، أبو الحسن الطائي

البرتي

ثقة . [الحديث: 30/55]



(145) أحمد بن كامل بن خلف بن شجرة القاضي البغدادي،  
أبوبكر

موثق عند المجهور فهو صدوق حسن الحديث، اثنى عليه ابن  
رزقويه وصحح الحاكم والذهبي حديثه (المستدرک وتلخيصه: 524/4، ح  
: 8598) فجرح الدارقطني فيه مرجوح- قد رجعت عما قلت بانه  
ضعيف . والحمد لله . [الحديث : 30/55]

(146) أحمد بن محمد بن إبراهيم بن حازم السمرقندي،  
أبويحيى الكرابيسي

لم أجد من وثقه وترجمته في الميزان ( 129/1 ) واللسان  
(251/1، 252)- [الفتح المبين، ص: 18]

(147) أحمد بن محمد بن إبراهيم الصيرفي، ابن الخنازيري  
ثقة . [الحديث : 35/101]

(148) أحمد بن محمد بن أحمد بن عبد الله بن الحارث، أبوبكر الحارثي  
ثقة . [الحديث : 22/83]

(149) أحمد بن محمد بن أحمد بن غالب البرقاني الخوارزمي، أبوبكر  
ثقة إمام "الامام العلامة الفقيه الحافظ الثبت، شيخ الفقهاء  
والمحدثين وصاحب التصانيف، توفي سنة 425هـ . [الحديث :  
35/101]

(150) أحمد بن محمد بن إسماعيل بن يونس المرادي النحوي،  
أبو جعفر

العلامة وإمام العربية، توفي سنة 338هـ . [سيرت رحمة للعالمين،  
ص: 32]



(151) أحمد بن محمد بن أيوب، أبو جعفر، صاحب المغازي

موثق عند الجمهور، توفي سنة 228هـ. [الحديث: 27/25]

(152) أحمد بن محمد بن ثابت، المعروف: أحمد بن شبويه

ثقة. [الحديث: 16/43]

(153) أحمد بن محمد بن الجراح

ثقة. [الحديث: 3/49]

(154) أحمد بن محمد بن الحجاج بن رشدين بن سعد المصري

ضعيف عند الجمهور. [الحديث: 41/68]

(155) أحمد بن محمد بن الحسن بن يعقوب بن مقسم المقرئ

الطار، ابن مقسم

مجروح جدا، قال الخطيب البغدادي: وكان يظهر النسك

والصلاح ولم يكن في الحديث ثقة، وجرح فيه حمزة بن يوسف

السهمي والدارقطني وغيرهما وقال أبو نعيم الاصبهاني: لين الحديث،

وقال ابو القاسم الازهري: كان كذابا. (تاريخ بغداد 4/429، ت 2328).

[الحديث: 9/108]

(156) أحمد بن محمد بن الحسين بن إسحاق، أبو العباس الرازي

قال الخطيب البغدادي: وكان ثقة حافظاً. (تاريخ بغداد: 4/435).

[الحديث: 38/93]

(157) أحمد بن محمد بن خالد

لم اجد له ترجمة. [الحديث: 24/13]

